جون ۲۰۰۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ

آج کل اُردو اخبارات کے سینئر ترین تجزیہ نگار اِس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ ۱۹۹۸ء میں اُس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کو ایٹمی دھماکے کرنے چاہیے تھے یا نہیں؟ اگرچہ اکثر تجزیہ نگاروں کی رائے ایٹمی دھماکوں کے حوالہ سے مثبت ہے مگر ارشاد احمد حقانی جنہوں نے اِس بحث کا آغاز کیا ہے یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ پاکستان پر جو مصائب و مسائل کا پہاڑ ٹوٹا ہے وہ ان ایٹمی دھماکوں کی بنا پر ہے۔ اِن کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ بھارت تو ہمارا دشمن تھا ہی، ہم نے ایٹمی دھماکے کر کے خواہ مخواہ امریکہ اور اسرائیل کو بھی اپنی جان کا دشمن بنالیا ہے۔ اگر ہم ایٹمی دھماکے نہ کرتے تو امریکہ اور اسرائیل یوں بھارت کا ساتھ نہ دیتے اور ہماری سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ بہت سے تجزیہ نگار اُن کے موقف کا ردّ کر رہے ہیں اور ظاہر ہے ہم بھی بقائمی ہوش و حواس کسی ایسے موقف سے اتفاق کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے جو خلافِ قرآن ہو (جس کا حوالہ ہم بعد میں دیں گے۔) سوال یہ ہے کہ حقانی صاحب جیسے پرو پاکستانی صحافی پسپائی کے حوالہ سے ایسی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری رائے میں نائن الیون کے بعد ہم نے خوف اور پسپائی کی بنیاد پر جو پالیسی بنائی اور پھر جس طرح ہر مرتبہ! Do more کی کرخت للکار پر شکست خوردگی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا اُس نے قوم کے ہر چھوٹے بڑے فرد پر ذہنی اور فکری سطح پر انتہائی منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ ایک حقانی صاحب ہی نہیں، میڈیا خصوصاً الیکٹرونک میڈیا پر تجزیات کا نوٹس لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ہم بحیثیتِ قوم ذہناً شکست قبول کر چکے ہیں۔ زبان سے ہم جو چاہیں کہیں، عملاً ہم یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ ہم آزادی کے قابل نہیں تھے، اب بھی ہمارا بھلا اِسی میں ہے کہ کسی کے تابع مہمل ہو کر زندگی گزاریں۔ یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ حقانی صاحب نے ۱۹۹۸ء میں جب دھماکے کرنے کی مخالفت کی تھی تو ابھی نائن الیون کا سانحہ وقوع پذیر نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی عسکری قوت، مغربی تہذیب اور سائنس و ٹیکنالوجی میں حیران کن ترقی نے ایسی گلوبل فضا قائم کر دی ہے کہ اَذہان مغلوب اور مفتوح ہو چکے ہیں (خصوصاً ایسے

Intellectuals کے جن کے بچے یا قریبی ترین عزیز لندن اور واشنگٹن کی فضاؤں میں ترقی کی منازل تیزی سے طے کر رہے ہیں)۔ لہٰذا خوف اور اعترافِ شکست ایک بیج کی صورت میں اُس وقت بھی موجود تھا جو اب ایک تناور درخت بن چکا ہے۔ یہی خوف مشرف اینڈ کمپنی کے قلوب واذہان میں بھی موجود تھا' اسی وجہ سے ایک ٹیلی فون کال پر تمام مطالبات تسلیم کر کے امریکیوں کو بھی حیران کر دیا۔

اب ہم پاکستان کی سلامتی میں ایٹمی اثاثہ جات کے رول کی حیثیت کے حوالہ سے چند گزارشات حقانی صاحب کی خدمت میں پیش کریں گے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ پاکستان اگر ایٹمی صلاحیت حاصل نہ کرتا تو امریکہ اور اسرائیل پاکستان کے کم از کم جانی دشمن نہ بنتے' لیکن یہ تو حقانی صاحب بھی تسلیم کرتے ہوں گے اور وہ اپنے کئی کالموں میں اِس کا اظہار بھی کر چکے ہیں کہ بھارت پاکستان کا ازلی دشمن ہے اور پاکستان ہمیشہ اُس کے سینے پر داغ بنا رہا۔ اس کے نزدیک مسلمانانِ برصغیر نے ہندوستان کی تقسیم نہیں کی تھی بلکہ گاؤ ماتا کے ٹکڑے کیے تھے۔ سوال یہ ہے کہ غیر ایٹمی پاکستان ایٹمی بھارت سے اپنی سلامتی کیسے محفوظ رکھتا؟ ہم کھلے عام تسلیم کریں یا نہ کریں یہ حقیقت ہے کہ ہم روایتی ہتھیاروں سے بھارت کو روک نہیں سکتے۔ اور امریکہ کے بارے میں یہ تصور کرنا بھی حماقت عظمیٰ ہو گی کہ وہ پاکستان کی خاطر بھارت سے بگاڑ لے گا۔ بھارت اور کچھ نہ سہی ڈیڑھ ارب افراد کی مارکیٹ تو ہے۔ بھارت Containment of China Policy میں امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی' معاون اور مددگار ہو گا۔ بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے جسے امریکہ اور اسرائیل مسلم دشمن ریاست ہونے کے حوالہ سے کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

حقانی صاحب مجید نظامی صاحب کے مضمون کے جواب میں لکھتے ہیں: ''معلوم نہیں مجید نظامی کو کیسے معلوم ہوا کہ میں بھارت اور کشمیر کو بھول چکا ہوں''۔ سوال یہ ہے کہ اگر حقانی صاحب کشمیر کو زندہ مسئلہ سمجھتے ہیں تو پھر ایٹمی بھارت غیر ایٹمی پاکستان کے اِس نظری موقف کو بھی کیسے برداشت کرے گا کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ نہیں ہے؟ پاکستان کے خلاف اپنے ازلی اور پیدائشی بغض کو وہ غالب قوت ہونے اور اِس خطرہ سے بے فکر ہونے کے باوجود کہ اُسے کوئی تباہ کن جواب نہیں مل سکتا وہ کب تک برداشت کرے گا؟ ممبئی پر دس دہشت گردوں کے حملوں میں کس شے نے اُسے پاکستان پر حملہ آور ہونے سے باز رکھا؟ حقانی صاحب

(باقی صفحہ 96 پر)

سُورۂ الِ عِمران

آیات ۱۵۶ تا ۱۸۰

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا
ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّی لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا
لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَی اللّٰهِ
تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ
فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ یَّنْصُرْكُمُ
اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ
یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ
قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ

اَنّٰی هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾
وَمَآ اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ
الَّذِیْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ
نَعْلَمُ قِتَالاً لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ۚ یَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا
لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ
الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا
هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ
اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ
الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ
اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ
وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ
یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا
یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ
اَلَّا یَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا
الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا
اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ
عَلَیْهِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

آیت ۱۵۶ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اے اہل ایمان! تم اُن لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا''

﴿وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا﴾ ''اور جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں جبکہ وہ زمین میں سفر پر نکلے ہوئے تھے یا کسی جہاد میں شریک تھے (اور وہاں ان کا انتقال ہو گیا) کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے' نہ قتل ہوتے۔''

ہر شخص کی موت کا وقت تو معین ہے۔ وہ اگر تمہاری گود میں بیٹھے ہوں تب بھی موت آ جائے گی۔ چاہے وہ بہت ہی مضبوط پہرے والے قلعوں میں ہوں موت تو وہاں بھی پہنچ جائے گی۔ تو تم اس طرح کی باتیں نہ کرو۔ یہ تو کافروں کے انداز کی باتیں ہیں کہ اگر ہمارے پاس ہوتے اور جنگ میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ یہ ساری باتیں درحقیقت ایمان کے منافی ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ))(۱) ''کاش کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے''۔ یعنی یہ کہنا کہ کاش ایسے ہو جاتا تو یوں ہو جاتا' اس کلمہ ہی سے شیطان کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ جو ہوا اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ہونا منظور تھا' اس کی حکمتیں اسے معلوم ہیں' ہم اس کی حکمت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

﴿لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''(یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آتی ہے) تاکہ اللہ اس کو اُن کے دلوں میں حسرت کا باعث بنا دے''۔

اس قسم کی باتوں سے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں حسرت کی آگ جلا دیتا ہے۔ یہ بھی گویا ان کے کفر کی سزا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ ''اور دیکھو اللہ ہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد

(۱) صحيح مسلم' كتاب القدر' باب فى الامر بالقوة وترك العجز والاستعانة بالله۔ عن ابى هريرة ؓ۔

کرتا ہے۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴿۱۵۶﴾﴾ ’’اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔‘‘

آیت ۱۵۷ ﴿وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَوۡ مُتُّمۡ﴾ ’’اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا ویسے ہی تمہیں موت آ جائے‘‘

﴿لَمَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَحۡمَۃٌ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ﴿۱۵۷﴾﴾ ’’تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت اور رحمت تمہیں ملے گی وہ کہیں بہتر ہے اُن چیزوں سے جو یہ جمع کر رہے ہیں۔‘‘

اگر دنیا میں دس پندرہ سال اور جی لیتے تو کیا کچھ جمع کر لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شہادت کی موت دے دی‘ تمہارے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو گی!

آیت ۱۵۸ ﴿وَلَئِنۡ مُّتُّمۡ اَوۡ قُتِلۡتُمۡ لَاِلَی اللّٰہِ تُحۡشَرُوۡنَ﴿۱۵۸﴾﴾ ’’اور چاہے تم مرو یا قتل ہو‘ بہر حال اللہ ہی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔‘‘

چاہے تمہیں اپنے بستروں پر موت آئے اور چاہے تم قتل ہو‘ ہر حال میں تمہیں اللہ کی جناب میں حاضر کر دیا جائے گا۔ تمہاری آخری منزل تو وہی ہے‘ خواہ تم بستر پر پڑے ہوئے دم توڑ دو یا میدانِ جنگ کے اندر جامِ شہادت نوش کر لو۔

آیت ۱۵۹ ﴿فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَہُمۡ﴾ ’’(اے نبی ﷺ) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔‘‘

اس سورۂ مبارکہ کی یہ آیت بھی بڑی اہم ہے۔ جماعتی زندگی میں جو بھی امیر ہو‘ صاحب امر ہو‘ جس کے پاس ذمہ داریاں ہوں‘ جس کے گرد اس کے ساتھی جمع ہوں‘ اسے یہ خیال رہنا چاہیے کہ آخر وہ بھی انسان ہیں‘ ان کے بھی کوئی جذبات اور احساسات ہیں‘ ان کی عزتِ نفس بھی ہے‘ لہٰذا ان کے ساتھ نرمی کی جانی چاہیے‘ سختی نہیں۔ وہ کوئی ملازم نہیں ہیں‘ بلکہ رضا کار (volunteers) ہیں۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ کوئی تنخواہ یافتہ سپاہی تو نہیں تھے۔ یہ لوگ ایمان کی بنیاد پر جمع ہوئے تھے۔ اب بھی کوئی دینی جماعت وجود میں آتی ہے تو جو لوگ اس میں کام کر رہے ہیں وہ دینی جذبے کے تحت جڑے ہوئے ہیں‘ لہٰذا ان کے امراء کو ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ آپؐ ان کے حق میں بہت نرم ہیں۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''اور اگر آپؐ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپؐ کے اردگرد سے منتشر ہو جاتے۔''

کوئی کارواں سے ٹوٹا' کوئی بدگماں حرم سے ہے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ''پس آپ ان سے درگزر کریں''

چونکہ بعض صحابہؓ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی تھی کہ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت بڑا چرکا لگ گیا تھا' لہٰذا آنحضورﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ اپنے ان ساتھیوں کے لیے اپنے دل میں میل مت آنے دیجیے۔ ان کی غلطی اور کوتاہی کو اللہ نے معاف کر دیا ہے تو آپؐ بھی انہیں معاف کر دیں۔ عام حالات میں بھی آپ انہیں معاف کرتے رہا کریں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ''اور ان کے لیے مغفرت طلب کریں''

ان سے جو بھی خطا ہو جائے اس پر ان کے لیے استغفار کیا کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ''اور معاملات میں ان سے مشورہ لیتے رہیں۔''

ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کریں کہ آئندہ ان کی کوئی بات نہیں سننی' بلکہ ان کو بھی مشورے میں شامل رکھیے۔ اس سے بھی باہمی اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا امیر ہم سے مشورہ کرتا ہے' ہماری بات کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت اجتماعی زندگی کے لیے بہت ہی ضروری بات ہے۔

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اب اللہ پر توکل کریں۔''

مشورے کے بعد جب آپؐ کا دل کسی رائے پر مطمئن ہو جائے اور آپ ایک فیصلہ کر لیں تو اب کسی شخص کی بات کی پرواہ نہ کریں' اب سارا توکل اللہ کی ذات پر ہو۔ غزوۂ اُحد سے پہلے رسول اللہﷺ نے مشورہ کیا تھا' اُس وقت کچھ لوگوں کی رائے وہی تھی جو آنحضورﷺ کی رائے تھی' یعنی مدینہ میں محصور ہو کر جنگ کی جائے۔ لیکن کچھ حضرات نے کہا ہم تو کھلے میدان میں جنگ کرنا چاہتے ہیں' ہمیں تو شہادت کی موت چاہیے تو حضورﷺ نے ان کی رعایت کی اور باہر نکلنے کا فیصلہ فرما دیا۔ اس کے فوراً بعد جب آپﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے سے برآمد ہوئے تو خلافِ معمول آپؐ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ہتھیار لگائے ہوئے تھے۔ اس سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ کچھ سخت معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کہا کہ

حضورﷺ ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں' جو آپؐ کی رائے ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ لیکن آپﷺ نے فرمایا کہ نہیں' یہ فیصلہ برقرار رہے گا۔ نبی کو یہ زیبا نہیں ہے کہ ہتھیار باندھنے کے بعد جنگ کیے بغیر انہیں اتار دے۔ یہ آیت گویا نبی اکرمﷺ کے طرزِ عمل کی توثیق میں نازل ہوئی ہے کہ جب آپ ایک فیصلہ کرلیں تو اللہ پر توکل کیجیے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ ''(اے مسلمانو! دیکھو) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔''

﴿وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾ ''اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے (تمہاری مدد سے دست کش ہو جائے) تو کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا اس کے بعد؟''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ایمان والوں کو۔''

آیت ۱۶۱ ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ﴾ ''اور کسی نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کرے۔''

غَلَّ یَغُلُّ غُلُوْلًا کے معنی ہیں خیانت کرنا اور مالِ غنیمت میں سے کسی چیز کا چوری کر لینا' جبکہ غَلَّ یَغِلُّ غِلًّا کے معنی دل میں کینہ ہونا کے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ آنحضورﷺ پر منافقوں نے الزام لگایا تھا کہ آپؐ نے مالِ غنیمت میں کوئی خیانت کی ہے (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) یہ اس الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کسی نبیؑ کی شان نہیں ہے کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرے۔ البتہ مولانا اصلاحی صاحب نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس لفظ کو صرف مالی خیانت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ دراصل منافقین کے اس الزام کی تردید ہے جو انہوں نے اُحد کی شکست کے بعد رسول اللہﷺ پر لگایا تھا کہ ہم نے تو اس شخص پر اعتماد کیا' اس کے ہاتھ پر بیعت کی' اپنے نیک و بد کا اس کو مالک بنایا' لیکن یہ اس اعتماد سے بالکل غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہمارے جان و مال کو اپنے ذاتی حوصلوں اور اُمنگوں کے لیے تباہ کر رہے

ہیں۔ یہ عرب پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے ہماری جانوں کو تختۂ مشق بنایا ہے۔ یہ صریحاً قوم کی بدخواہی اور اس کے ساتھ غداری و بے وفائی ہے۔ قرآن نے ان کے اس الزام کی تردید فرمائی ہے کہ تمہارا یہ الزام بالکل جھوٹ ہے' کوئی نبی اپنی اُمت کے ساتھ کبھی بے وفائی اور بدعہدی نہیں کرتا۔ نبی جو قدم بھی اٹھاتا ہے رضائے الٰہی کی طلب میں اور اس کے احکام کے تحت اٹھاتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز سمیت حاضر ہوگا قیامت کے دن۔''

اللہ تعالیٰ کے قانونِ جزا و سزا سے ایک نبی سے بڑھ کر کون باخبر ہوگا؟

﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''پھر ہر جان کو پورا پورا دے دیا جائے گا جو کچھ اُس نے کمایا ہوگا اور اُن پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔''

نوٹ کیجیے لفظ ''تُوَفّٰی'' یہاں بھی پورا پورا دیے جانے کے معنی میں آیا ہے۔

آیت ۱۶۲ ﴿اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''تو کیا بھلا وہ شخص جس نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اُس کی مانند ہو جائے گا جو اللہ کے غضب اور غصے کو کما کر لوٹا؟''

﴿وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ﴾ ''اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

﴿وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے پہنچنے کی۔''

آیت ۱۶۳ ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''ان کی بھی درجہ بندیاں ہیں اللہ کے ہاں۔'' جیسے نیکوکاروں کے درجے ہیں اسی طرح وہاں بدکاروں کے بھی درجے ہیں۔ سب بدکار برابر نہیں اور سب نیکوکار برابر نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔''

اب آگے جو آیت آ رہی ہے' یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ آ چکا ہے۔ پہلی مرتبہ سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا تھا: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ﴾ (آیت ۱۲۹) پھر اٹھارہویں رکوع کے آخر میں یہ الفاظ آئے تھے :﴿کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴿۱۵۱﴾﴾ اب یہ مضمون تیسری مرتبہ یہاں آ رہا ہے:

آیت ۱۶۴ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ''درحقیقت اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے اہل ایمان پر''

﴿اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ﴾ ''جب اُن میں اٹھایا ایک رسولؐ ان ہی میں سے''

یعنی ان کی اپنی قوم میں سے۔

﴿یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ﴾ ''جو تلاوت کر کے انہیں سناتا ہے اس کی آیات''

﴿وَیُزَکِّیْھِمْ﴾ ''اور انہیں پاک کرتا ہے''

﴿وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ﴾ ''اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب وحکمت کی۔''

یہ انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کے چار عناصر ہیں' جنہیں قرآن اسی ترتیب سے بیان کرتا ہے: تلاوتِ آیات' تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت ۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا میں جو ترتیب تھی' اللہ نے اس کو تبدیل کیا ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۱ کے ذیل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

﴿وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴿۱۶۴﴾﴾ ''اور یقیناً اس سے پہلے (یعنی رسول ﷺ کی آمد سے قبل) تو وہ لازماً کھلی گمراہی کے اندر مبتلا تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا﴾ ''اور کیا جب تم پر ایک مصیبت آئی' جبکہ تم اس سے دگنی مصیبت اُن کو پہنچا چکے ہو تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟''

یعنی یہ کیوں ہو گیا؟ اللہ نے پہلے مدد کی تھی' اب کیوں نہیں کی؟

﴿قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ﴾ ''(اے نبیؐ) کہہ دیجیے یہ تمہارے اپنے نفسوں (کی شرارت کی وجہ) سے ہوا ہے۔''

غلطی تم نے کی تھی' امیر کے حکم کی خلاف ورزی تم نے کی تھی' جس کا خمیازہ تم کو بھگتنا پڑا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۶۵﴾﴾ ''یقیناً اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

گویا اسی مضمون کو یہاں دہرا کر لایا گیا ہے جو پیچھے آیت ۱۵۲ میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تو وعدہ اپنا پورا کر چکا تھا اور تم دشمن پر غالب آ چکے تھے' مگر تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اللہ چاہتا تو تمہیں کوئی سزا نہ دیتا' بغیر سزا دیے معاف کر دیتا' لیکن اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ تمہیں سزا دی جائے۔ اس لیے کہ ابھی تو بڑے بڑے مراحل آنے ہیں۔ اگر اسی طرح تم نظم کو توڑتے رہے اور احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے تو پھر تمہاری حیثیت ایک جماعت کی تو نہیں ہوگی' پھر تو ایک انبوہ ہوگا' ''ہجومِ مؤمنین'' ہوگا' جبکہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے ایک منظم جماعت' لشکر' فوج' حزب اللہ درکار ہے۔

آیت ۱۶۶ ﴿وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾ ''اور جو بھی مصیبت تم پر آئی ہے اُس دن جب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے تھے وہ اللہ کے اِذن سے آئی ہے'' اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ تکلیف نہیں آ سکتی تھی۔

﴿وَلِیَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۶۶﴾﴾ ''اور یہ اس لیے تھی کہ اللہ ظاہر کر دے ایمان والوں کو۔'' یہ ظاہر ہو جائے کہ کون ہیں اصل مؤمن' حقیقی مؤمن جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَلِیَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا ۚ﴾ ''اور تا کہ ان لوگوں کو بھی ظاہر کر دے جنہوں نے منافقت اختیار کی۔''

''لِیَعۡلَمَ'' کا معنی ہے ''تا کہ جان لے''—لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے لہٰذا ایسے مقامات پر ترجمہ کیا جاتا ہے: ''تا کہ اللہ ظاہر کر دے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے واقعتاً ظاہر کر دیا کہ کون مؤمن ہے اور کون منافق! عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر چلا گیا تو سب پر ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اب آئندہ اہل ایمان ان کی بات پر اعتبار تو نہیں کریں گے' ان کی چکنی چپڑی باتیں کان لگا کر تو نہیں سنیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ Who is who & what is what?۔

﴿وَقِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ﴾ ''اور ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (کم از کم اپنے شہر کا) دفاع کرو۔''

عبداللہ بن اُبی جب اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو اس وقت ان سے کچھ لوگوں نے کہا ہوگا کہ بیوقوفو! کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت تو لشکر سامنے ہے۔ اگر ایک ہزار میں سے تین سو آدمی نکل جائیں گے تو باقی لوگوں کے دلوں میں بھی کچھ نہ کچھ کمزوری پیدا ہو گی۔ اگر تم میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم مدینہ کے دفاع کے لیے تو کمر بستہ ہو جاؤ۔ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو کیا ہوگا؟ اگر یہاں پر یہ لشکر شکست کھا گیا تو کیا دشمن تمہاری بہو بیٹیوں کو اپنی باندیاں بنا کر نہیں لے جائیں گے؟

﴿قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالاً لَّاتَّبَعْنٰكُمْ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر ہم سمجھتے کہ جنگ ہونی ہے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔''

یعنی یہ تو درحقیقت نورا کشتی ہو رہی ہے' یہ حقیقت میں جنگ ہے ہی نہیں۔ یہ جو مکہ سے محمد (ﷺ) کے ساتھی مہاجرین آئے ہیں اور اب یہ جو مکہ ہی سے لشکر ہم پر چڑھائی کر کے آیا ہے یہ سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں اور ہمارا ان سے کوئی سروکار نہیں۔

﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ ''یہ لوگ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے قریب تر تھے۔''

﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝۱۶۷﴾ ''اور اللہ اس چیز کو خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہیں۔''

آیت ۱۶۸ ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور اپنے (شہید ہو جانے والے) بھائیوں کی نسبت کہا کہ اگر وہ بھی ہمارے ساتھ آ گئے ہوتے تو قتل نہ ہوتے۔''

﴿قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۶۸﴾ ''تو (اے نبی ﷺ) ان سے کہیے اچھا اگر تم (اپنے اس قول میں) سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا کر دکھا دو۔''

کیا تم اپنے آپ سے موت کو ٹال لو گے؟ خود موت سے بچے رہو گے؟ کیا موت تمہیں

اپنے گھروں میں نہیں آئے گی؟

آیت ۱۶۹ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا﴾ ''اور ہرگز نہ سمجھنا اُن لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔''

یہی مضمون قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

﴿بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ ''بلکہ وہ تو زندہ ہیں' اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں۔''

آیت ۱۷۰ ﴿فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''شاداں وفرحاں ہیں اُس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے''

﴿وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ﴾ ''اور بشارت حاصل کر رہے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں اور ابھی اُن سے نہیں ملے''

﴿اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''کہ نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔''

آیت ۱۷۱ ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ﴾ ''وہ خوشیاں منا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کی وجہ سے اور اس کے فضل کی بنا پر''

﴿وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

اب آگے جو آیات آ رہی ہیں ان کے بارے میں تاریخ وسیرت کی کتابوں میں دو قسم کی روایات آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی فوج کے واپس چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بعض ضروری امور نمٹائے اور شہداء کی تدفین کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو اچانک خیال آیا کہ یہ کفار چلے تو گئے ہیں' لیکن ہوسکتا ہے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو کہ اس وقت تو مسلمان اس حالت میں تھے کہ ہم انہیں ختم کر سکتے تھے' لہٰذا وہ کہیں دوبارہ پلٹ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دیا' تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم نے ہمت نہیں ہار دی۔ اس کے باوجود کہ اہل ایمان کے جسم زخموں سے چور چور تھے' اتنا بڑا صدمہ پہنچا تھا' وہ پھر تیار ہو گئے اور حضور ﷺ جان نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ کفار کے تعاقب میں حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر ابوسفیان کو واقعتاً اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ مقام روحاء پر رک کر اپنی فوج کی ازسرِنو تنظیم کر کے واپس پلٹ کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ادھر سے آنے والے ایک تاجر سے اس نے کہا بھی تھا کہ جا کر مسلمانوں کو بتا دو کہ میں بہت بڑا لشکر لے کر دوبارہ آ رہا ہوں۔ لیکن جب ابوسفیان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عزم و حوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں تو ارادہ بدل لیا اور لشکر کو مکہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان ہوتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے یہ کہہ گیا تھا کہ اب اگلے سال بدر میں دوبارہ ملاقات ہو گی۔ یعنی ایک سال پہلے بدر میں جنگ ہوئی تھی' اب اُحد میں ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ اب اگلے سال پھر ہمارے اور تمہارے درمیان تیسرا مقابلہ بدر میں ہو گا۔ چنانچہ اگلے سال رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر بدر تک گئے۔ یہ مہم ''بدرِ صغریٰ'' کہلاتی ہے۔ ادھر سے ابوسفیان پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آ گیا اور اس مرتبہ بھی کچھ لوگوں کے ذریعہ سے اہل ایمان میں خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کی کہ لوگو کیا کر رہے ہو' قریش تو بہت بڑا لشکر لے کر آ رہے ہیں' تم اس کا مقابلہ نہ کر پاؤ گے! تو اس کے جواب میں مسلمانوں نے صبر و توکل کا مظاہرہ کیا اور وہ کلمات کہے جو آگے آ رہے ہیں۔ تو یہ آیات دونوں واقعات پر منطبق ہو سکتی ہیں۔

آیت ۱۷۲ ﴿اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾

''جن لوگوں نے لبیک کہی اللہ اور رسولؐ کی پکار پر اس کے بعد کہ ان کو چرکا لگ چکا تھا۔''

یہ آیت سابقہ آیات کے تسلسل میں آئی ہے۔ یعنی اس اجرِ عظیم کے مستحق وہ لوگ ٹھہریں گے کہ اُحد کی شکست کا زخم کھانے کے بعد بھی ان کے عزم و ایمان کا یہ حال ہے کہ جونہی اللہ اور رسول کی جانب سے انہیں ایک تازہ مہم کے لیے پکارا گیا وہ فوراً تیار ہو گئے۔

﴿لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ﴾ ''ان میں سے جو بھی محسنین اور متقین ہیں ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۷۳ ﴿اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوگئی ہیں' پس ان سے ڈرو!''

﴿فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا﴾ ''تو اس بات نے ان کے ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا''

﴿وَّقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ﴾ ''اورانہوں نے کہا اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

اُسی کا سہارا سب سے اچھا سہارا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بے خوف ہوکر مقابلے کے لیے نکلے۔

آیت ۱۷۴ ﴿فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ﴾ ''پس وہ لوٹ آئے اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ''

ابوسفیان کو جب پتا چلا کہ محمد ﷺ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں تو اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ سیدھا مکہ مکرمہ کی طرف رخ کر لیا جائے۔ ''بدرِصغریٰ'' کی مہم میں بھی یہی ہوا کہ جب اس نے سنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو اپنے پورے ساتھیوں کے ساتھ مقابلے پر آ گئے ہیں تو وہ کنی کترا کر اور طرح دے کر نکل گیا اور مقابلے میں نہیں آیا۔

﴿لَّمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ﴾ ''ان کو کسی قسم کا بھی ضرر نہ پہنچا''

انہیں اس مہم میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی جس میں وہ پورے اُترے۔

﴿وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ﴾ ''اورانہوں نے تو اللہ کی رضا کی پیروی کی۔''

انہیں اللہ کی رضا و خوشنودی پر چلنے کا شرف حاصل ہوگیا۔

﴿وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

آیت ۱۷۵ ﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیۡطٰنُ یُخَوِّفُ اَوۡلِیَآءَهٗ ۪﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ شیطان ہے جو تمہیں ڈراتا ہے اپنے ساتھیوں سے''

وہ تو چاہتا ہے کہ اپنے ساتھی کفار یعنی حزب الشیطان کا خوف تم پر طاری کر دے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی لیے گئے ہیں کہ شیطان اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے۔ یعنی شیطان کی اس تخویف کا اثر انہی پر ہوتا ہے جو اس کے ولی ہوتے ہیں' لیکن جو اولیاء اللہ ہیں ان پر شیطان کی

طرف سے اس قسم کی وسوسہ اندازی کا اثر نہیں ہوتا۔

﴿فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ﴾ ''تو تم ان سے نہ ڈرو' مجھ سے ڈرو''

﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ''اگر تم مؤمن صادق ہو۔''

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ کے لیے باعثِ غم نہ بنیں جو کفر کے معاملے میں اس قدر بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔''

مدینہ کے یہود اور مکہ کے مشرکین مسلمانوں کے خلاف ساز باز میں مصروف رہتے۔ کبھی یہودیوں کا کوئی وفد سردارانِ مکہ کے پاس جا کر کہتا کہ تم مسلمانوں پر چڑھائی کرو' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔ کبھی قریش یہودیوں سے رابطہ کرتے۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں بڑی Diplomatic Activity ہو رہی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کی وساطت سے اہل ایمان کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ ان کی سرگرمیوں سے رنجیدہ نہ ہوں' ان کی ساری ریشہ دوانیوں کی حیثیت سیلاب کے اوپر آ جانے والے جھاگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔

﴿اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا﴾ ''وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے۔''

یہ گویا اللہ کے اس فیصلے کا ظہور ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ایمان ہاتھ سے دے کر کفر خرید لیا وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔''

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ﴾ ''اور مت سمجھیں یہ کافر کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے''۔

کافروں کو مہلت اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے کفر میں اور بڑھ جائیں تاکہ اپنے آپ کو برے سے برے عذاب کا مستحق بنا لیں۔ اللہ ان کو ڈھیل ضرور دیتا ہے' لیکن یہ نہ سمجھو کہ یہ ڈھیل ان کے حق میں اچھی ہے۔

﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ ''ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور اضافہ کرلیں۔''

﴿وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ﴾ ''اور ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہوگا۔''

آیت ۱۷۹ ﴿مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ﴾ ''اللہ وہ نہیں کہ چھوڑے رکھے مسلمانوں کو اس حالت میں جس پر تم ہو''

﴿حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ ''یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے ممیّز کردے۔''

یہ آیت بھی فلسفۂ آزمائش کے ضمن میں بہت اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور صالح بندوں کو تکالیف میں کیوں ڈالتا ہے' حالانکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے' آنِ واحد میں جو چاہے کرسکتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بات اللہ کی حکمت کے مطابق نہیں ہے کہ وہ تمہیں اسی حال میں چھوڑے رکھے جس پر تم ہو۔ ابھی تمہارے اندر کمزور اور پختہ ایمان والے گڈمڈ ہیں' بلکہ ابھی تو منافق اور مؤمن بھی گڈمڈ ہیں۔ تو جب تک ان عناصر کو الگ الگ نہ کر دیا جائے اور تمہاری اجتماعیت سے یہ تمام ناپاک عناصر نکال نہ دیے جائیں اُس وقت تک تم آئندہ پیش آنے والے مشکل اور کٹھن حالات کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ آگے تمہیں سلطنت روما سے ٹکرانا ہے' تمہیں سلطنت کسریٰ سے ٹکر لینی ہے۔ ابھی تو یہ اندرون ملک عرب تمہاری جنگیں ہو رہی ہیں۔ ان آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری اجتماعیت کی تطہیر (purge) ہوتی رہے' یہاں تک کہ منافقین اور صادق الایمان لوگ بالکل نکھر کر علیحدہ ہو جائیں۔

﴿وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا یہ بھی طریقہ نہیں ہے کہ تمہیں غیب کی خبریں بتائے''

﴿وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ﴾ ''لیکن (اس کام کے لیے) اللہ منتخب کر لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔''

وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کے حالات بھی بتاتا ہے۔ رسولوں کو غیب از خود معلوم نہیں ہوتا' اللہ کے بتانے سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان آزمائشوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں تمہارے لیے کیا خیر پنہاں ہے' ہر چیز ہر ایک کو نہیں بتائی جائے گی' البتہ یہ

چیزیں ہم اپنے رسولوں کو بتا دیتے ہیں۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ ''پس ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولوںؑ پر۔''

﴿وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور اگر تم (یہ دو شرطیں پوری کر دو گے) ایمان میں ثابت قدم رہو گے اور تقویٰ پر کاربند رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''

آیت ۱۸۰ ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کر رہے ہیں اُس مال میں جو اللہ نے انہیں دیا ہے اپنے فضل میں سے کہ یہ بخل ان کے حق میں بہتر ہے۔''

ظاہر بات ہے کہ جب جنگ اُحد کے لیے تیاری ہو رہی ہو گی تو حضور ﷺ نے مسلمانوں کو انفاقِ مال کی دعوت دی ہو گی تاکہ اسبابِ جنگ فراہم کیے جائیں۔ لیکن جن لوگوں نے دولت مند ہونے کے باوجود بخل کیا ان کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے بخل کر کے جو اپنا مال بچا لیا وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ یہ مال اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا تھا' اس میں بخل سے کام لے کر انہوں نے اچھا نہیں کیا۔

﴿بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ ''بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے۔''

﴿سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اسی مال کے طوق بنا کر ان کی گردنوں میں پہنائے جائیں گے جس میں انہوں نے بخل کیا تھا' قیامت کے دن۔''

﴿وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی وراثت بالآخر اللہ ہی کے لیے ہے۔''

دنیا کا مال و اسباب آج تمہارے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا اور بالآخر سب کچھ اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ آسمانوں اور زمین کی میراث کا حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔''

یہاں وہ چھ رکوع مکمل ہو گئے ہیں جو غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور ان پر تبصرے پر مشتمل تھے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخری دو رکوع کی نوعیت ''حاصل کلام'' کی ہے۔ یہ گویا concluding رکوع ہیں۔

(باقی صفحہ پر)

سوات میں جاری مسلح بغاوت اور آرمی آپریشن

واقعاتی پس منظر اور ممکنہ نتائج

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۱۵ مئی ۲۰۰۹ء کا خطابِ جمعہ

بمقام قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن' لاہور

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۴﴾ (الاسراء)

﴿ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا ۚ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

اِس وقت مالاکنڈ ڈویژن میں مسلح بغاوت کی جو صورت حال پیدا ہو چکی ہے اور اس پر آرمی کا جو بھرپور ایکشن ہو رہا ہے' آج میں اس کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں ۔اس وقت ملک میں جو عمومی فضا بن چکی ہے اس پر ذرائع ابلاغ کا بہت زیادہ اثر ہے' جبکہ ذرائع ابلاغ پر مقامی اور بیرونی حکومتوں کا اثر موجود ہے' لہٰذا اس ماحول میں ایک اختلافی بات کرنا بہت مشکل ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی اس مخلصانہ رائے کا اظہار نہ کروں تو یہ خود اپنے آپ سے خیانت اور آپ کی حق تلفی ہوگی۔

پاکستان کی پونے باسٹھ سالہ زندگی میں بہت سے بحران آئے' جن میں سے چند بڑے بڑے بحرانوں کا ذکر کیا جائے تو ان میں سب سے بڑا بحران ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا اور ہمارا بھارت کے ہاتھوں ایک شرمناک اور عبرتناک شکست سے دوچار

ہونا ہے۔اس کے بعد دوسرا بحران' موجودہ بچے کھچے پاکستان کے عروس البلاد کراچی میں ہونے والے لسانی فسادات ہیں جن میں مسلسل خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی۔پھر ۱۹۷۳ء میں بھٹوصاحب نے بلوچستان میں پہلا آرمی ایکشن کیا جس کے نتیجے میں وہاں علیحدگی پسندی کی تحریک نے جنم لیا جو سلگتی ہوئی آگ کی طرح مسلسل چلتی رہی ہے۔پھر ۱۹۸۳ء میں ایم آر ڈی کے پردے میں سندھی قوم پرستی اور علیحدگی پسندی کی بڑی زوردار تحریک چلی تھی۔وہ تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اندرا گاندھی نے اس تحریک کی سرپرستی نہیں کی' ورنہ اُس وقت پاکستان کا ٹوٹ جانا یقینی نظر آ رہا تھا۔رہا یہ سوال کہ اندرا گاندھی نے علیحدگی پسندوں کی مدد کیوں نہیں کی تو اس کا میرے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں ہے کہ حدیث نبویؐ ہے کہ ''بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' وہ انہیں جس طرف چاہے پھیر دیتا ہے''۔بہرحال اگر اُس وقت سندھی قوم پرستوں کی مدد کی گئی ہوتی تو آج یہ پاکستان نہ ہوتا۔

آج کراچی کی حالت اُس شخص کی طرح ہے جو آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھا ہو کہ نمعلوم کب پھٹ جائے۔رہا بلوچستان تو اس میں وہ سلگتی ہوئی آگ آج ایک بہت بڑا دہکتا ہوا الاؤ بن چکا ہے۔صوبوں میں وفاق کا نمائندہ گورنر ہوتا ہے' اور بلوچستان کا گورنر خود کہہ رہا ہے کہ بلوچستان ہاتھ سے جا رہا ہے اور اسلام آباد میں کوئی میری بات سنتا ہی نہیں ہے۔باقی رہے سرحد کے قبائلی علاقے' تو ان میں مختلف اقسام کے تصادم اور شورشیں چل رہی ہیں' کہیں مذہبی انداز کی بریلوی دیوبندی اور شیعہ سنی کی شکل میں' اور کہیں طالبان اور القاعدہ کی آڑ میں۔اُدھر ڈرون حملوں کا سلسلہ ہے جو ہمارا ایک مستقل بحران بن چکا ہے' لیکن اِس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ مالاکنڈ ڈویژن کا بحران ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں مسلح بغاوت ہو چکی ہے۔اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے' لیکن سب سے پہلے اس بغاوت کا تاریخی پس منظر سمجھنا چاہیے۔

اس مسلح بغاوت میں بنیادی طور پر دو عنصر شامل ہیں' ان کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا ضروری

ہے۔ایک تحریک نفاذِ شریعت محمدی ﷺ اور دوسرے مختلف النوع قسم کے چار عناصر ہیں جن پر مجموعی طور پر طالبان کا لیبل لگا دیا گیا ہے۔

تحریک نفاذ شریعت محمدی کوئی آج کی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ گزشتہ بیس سال سے جاری ہے اور مسلسل پرامن جدوجہد کر رہی ہے۔اس کے لیڈر مولانا صوفی محمد صاحب ہیں جو پورے مالاکنڈ ڈویژن کی مقبول اور قابل احترام شخصیت ہیں۔ یہ بھی پہلے میری طرح جماعت اسلامی ہی میں تھے اور پھر میری ہی طرح الیکشن میں حصہ لینے کے معاملے میں اختلاف کر کے علیحدہ ہوئے۔لیکن میرے اور ان کے درمیان جو بہت بڑا فرق ہے وہ یہ ہے کہ میں نے الیکشن میں حصہ لینے اور ووٹ ڈالنے کو کبھی حرام نہیں کہا۔اس ضمن میں میرا موقف یہ تھا کہ پاکستان میں الیکشن کے ذریعے انقلاب نہیں آ سکتا' اسلام کا نظام قائم نہیں ہوسکتا' لہٰذا اگر ہماری ترجیح اوّل نفاذِ اسلام ہے تو ہمیں یہ راستہ ترک کر کے انقلابی راستہ اختیار کرنا ہوگا۔جبکہ مولانا صوفی محمد صاحب اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ الیکشن لڑنا اور ووٹ ڈالنا سب کچھ حرام ہے۔اسی موقف کی بنیاد پر انہوں نے تحریک کا آغاز کیا۔

ذاتی طور پر صوفی صاحب نہایت مخلص' نہایت متقی اور دین دار شخصیت ہیں۔میں نے ۹۶۔۱۹۹۵ء میں دو مرتبہ ان سے خود ملاقات کی ہے۔انہوں نے ۱۹۹۴ء میں نفاذِ اسلام کے لیے ایک زبردست احتجاجی مگر پُرامن تحریک کا آغاز کیا تھا۔ان کا گھر ضلع لوئر دیر کی تحصیل میدان میں ہے۔جب میں تنظیم اسلامی سرحد کے بعض رفقاء کے ساتھ ایک وفد کی شکل میں ان کے گھر پہنچا تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے کچے گھر کی یہ حالت تھی کہ اسے زیادہ سے زیادہ ایک جھونپڑی کہا جا سکتا ہے' جس کا کوئی ڈرائنگ روم اور بیٹھک نہ تھی۔جس جگہ ہمیں بٹھایا گیا وہاں قالین تو کیا دری کا ٹکڑا بھی نہیں بچھا ہوا تھا۔ہم نے ننگی زمین پر بیٹھ کر ان سے گفتگو کی۔ دورانِ گفتگو میں نے کہا کہ آپ کے پاس انتخابی سیاست کو حرام کہنے کے کیا دلائل ہیں؟ اس میں تو بڑے بڑے علماء اور دینی جماعتیں مثلاً جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی وغیرہ بھی شرکت کر رہی ہیں' آپ

اس بارے میں علماء سے گفتگو کیجیے۔ انہوں نے جواباً کہا کہ مجھے کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ میری رائے ہے اور میں اس پر قائم ہوں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ صوفی صاحب ایک ضدی آدمی ہیں اور عام طور پر جو شخص زیادہ ضدی ہوتا ہے وہ زیادہ مخلص بھی ہوتا ہے۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ سوات کے علاقے میں ان کا خاصا اثر و رسوخ ہے۔ اس لیے کہ واپسی پر ہم نے ابھی ایک دو کلومیٹر سفر ہی طے کیا تھا کہ ہمیں راستے میں روک لیا گیا۔ ہم اوّلاً تو کچھ خوفزدہ بھی ہوئے کہ کیا ماجرا ہے' لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہ وہاں کے خوانین میں سے ایک بہت بڑے زمیندار کا ڈیرہ تھا۔ ہمیں ایک حجرے میں لے جایا گیا جہاں ہماری مہمان نوازی کا وسیع اور شاندار انتظام تھا۔ معلوم ہوا کہ چونکہ مولانا صوفی محمد ہماری مہمان نوازی نہیں کر پائے تھے لہٰذا انہوں نے اس رئیس کو اشارہ کر دیا ہوگا کہ میرے مہمان آ رہے ہیں' ان کی تواضع اور خاطر مدارات کا خاطر خواہ انتظام کر دیں۔ اس سے علاقے میں ان کے اثر و رسوخ کی نوعیت بھی واضح ہوگئی۔

بہرحال انہوں نے دو تحریکیں یکے بعد دیگرے چلائیں جو کہ انتہائی پرامن تھیں۔ پہلی تحریک ۹۵۔۱۹۹۴ء میں جبکہ دوسری ۹۹۔۱۹۹۸ء میں چلی۔ اب چونکہ یہ کوئی باقاعدہ منظّم جماعت نہیں تھی اس لیے پہلی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ ان کے کچھ جوشیلے کارکنوں نے سیدو شریف ایئرپورٹ اور کئی دوسری سرکاری عمارتوں پر قبضہ کر لیا' لیکن بات مسلح تصادم تک نہ پہنچی۔ حکومت نے ان کے مطلوبہ شرعی نظامِ عدل کے نفاذ کا یک نکاتی مطالبہ منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔ دراصل پاکستان سے الحاق سے قبل دیر اور سوات آزاد ریاستیں تھیں اور وہاں پر بہت سادہ نظامِ عدل رائج تھا۔ علماء بطور قاضی مقرر ہوا کرتے تھے جو شریعت کے مطابق فیصلے کرتے تھے' اور اگر کوئی بڑا مسئلہ ہوتا تو اسے جرگے میں پیش کر دیا جاتا' جس پر فوری انصاف مہیا ہو جاتا تھا۔ جب وہاں پولیس پر چہ سسٹم آیا تو انصاف کا حصول مشکل ہوگیا۔ اس لیے کہ سب سے پہلے رپٹ درج کرانے کی رشوت' پھر پیروی کرنے کے اخراجات' پولیس کے بار بار آنے پر اس کی خاطر مدارات اور مہمان نوازی اور پھر کورٹس میں سالہا سال کے دھکے اس سسٹم کے لوازم

ہیں۔اور دیوانی مقدمات تو نسل در نسل چلتے ہیں اور رشوتوں پر رشوتیں دینی پڑتی ہیں۔ لہٰذا ان کا مطالبہ تھا کہ ہمارا پرانا نظامِ عدل بحال کیا جائے' باقی پاکستان سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے۔حکومت نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے کا اعلان کیا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے' لیکن حکومت نے معاہدے سے انحراف کیا اور علماء کو قاضی مقرر کرنے کے بجائے پہلے سے موجود ججز کو قاضی کا نام دے دیا۔ چنانچہ دوبارہ پھر تنگ آ کر انہوں نے ۱۹۹۹ء میں تحریک چلائی اور اس مرتبہ یہ بڑی عظیم تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ انہوں نے مالاکنڈ پاس بند کر دیا اور شاہراہِ ریشم بلاک کر دی۔غرضیکہ بہت بڑا طوفان اٹھا اور حکومت نے اس کے آگے پھر گھٹنے ٹیک دیے۔ پھر صوفی محمد صاحب کو بلا کر مذاکرات کیے گئے اور دوبارہ شرعی نظامِ عدل قائم کرنے کا وعدہ کیا گیا۔لیکن اسی دوران پرویز مشرف کی حکومت آ گئی جس سے اسلامی نظامِ عدل کے قیام جیسی کوئی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔یعنی دوبارہ پھر وعدہ خلافی ہوئی۔

اس کے بعد صوفی محمد صاحب دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر امریکہ کے خلاف جہاد اور طالبان کی مدد کے لیے افغانستان چلے گئے' لیکن وہاں انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا' بے شمار مجاہدین شہید ہو گئے اور بہت سوں کو شمالی اتحاد نے قید کر لیا۔ چونکہ وہ کوئی باقاعدہ منظّم فوج نہیں تھی اس لیے شدید نقصان اٹھانے کے بعد انہیں واپس آنا پڑا۔ صوفی محمد صاحب جب واپس آئے تو انہیں پرویز مشرف کی حکومت نے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ان کی گرفتاری کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ چونکہ ان کے بہت سارے ساتھی شہید اور قیدی ہو گئے ہیں' اس لیے مالاکنڈ کے لوگ اور مجاہدین کے ورثاء ان کے خلاف ہو گئے ہیں' لہٰذا انہیں حکومت نے حفاظتی تحویل میں لے لیا ہے تاکہ کوئی انہیں نقصان نہ پہنچائے۔لیکن قابل افسوس اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ انہیں آٹھ سال تک قید میں رکھا گیا۔انہیں اتنی لمبی ''حفاظتی تحویل'' کی کیا ضرورت تھی؟ اصل بات یہ تھی کہ پرویز مشرف نے بش کے ایک فون پر اس کے سامنے ہمیشہ کی اطاعت شعاری کے لیے سجدہ کر لیا تھا' اس لیے انہیں اندیشہ تھا کہ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر افغانستان پہنچنے والا شخص

کسی بھی وقت ہمارے لیے اس طرح کی بہت بڑی پریشانی کھڑی کرسکتا ہے' لہٰذا انہیں اپنی مستقل نگہبانی اور حفاظت میں رکھ لیا گیا کہ یہ کہیں دوبارہ شورش بپا نہ کر دیں۔ اس آٹھ سالہ نظر بندی کے دور میں تحریک نفاذِ شریعت محمدیؐ کے بعض جوشیلے کارکنوں نے' جن میں مولانا کا اپنا داماد مولوی فضل اللہ بھی شامل ہے' اسی کی قیادت میں دوبارہ تحریک کا آغاز کر دیا اور انہوں نے حکومتوں کے جھوٹے وعدوں سے تنگ آ کر اس بار جو تحریک چلائی وہ مسلح تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔

یہ سارا اس تحریک کا پس منظر ہے۔ تحریک نفاذِ شریعت کے امیر مولانا صوفی محمد ہیں اور ان کا اس مسلح تحریک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ان نوجوانوں کا اپنا عمل ہے اور انہوں نے مولانا کی طویل غیر حاضری سے غلط فائدہ اٹھایا ہے' جبکہ مولانا نے اسی وجہ سے مولوی فضل اللہ سے قطع تعلقی کا اعلان بھی کیا تھا۔ آج ایک کالم نگار نے لکھا ہے کہ یہ ایک ہی تحریک کے دو بازو (wings) ہیں' ایک مولوی فضل اللہ کا شدت پسند بازو (militant wing) ہے' جبکہ دوسرا سیاسی بازو (political wing) مولانا صوفی محمد کا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا طرزِ فکر بالکل جداگانہ ہے۔ باقی لکھنے والے جو چاہیں لکھ دیں ع ''ولیکن قلم در کفِ دشمن است!'' یہ سیکولر طبقہ جو چاہے لکھے' مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل معاملہ ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کے مصداق ہے کہ بار بار حکومت سے پرامن طریقے پر مطالبات کرنے کے باوجود جب کوئی پیش رفت ہوتی نظر نہیں آئی اور حکم قرآنی: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾ (بنی اسراء یل) کی بار بار مخالفت ہوتی رہی تو انہوں نے مجبوراً بندوق اٹھالی ہے۔

اس مسلح بغاوت میں تحریک نفاذ شریعت محمدی کے علاوہ جو دوسرا عنصر (element) شامل ہے اور جس پر مجموعی طور پر طالبان کا لیبل لگا دیا گیا ہے وہ بھی مختلف النوع قسم کے چار عناصر پر مشتمل ہے:

(۱) روسی افواج جب افغانستان میں داخل ہوئیں تو اُس وقت امریکہ کے ایماء پر پوری دنیا سے مجاہدین کو روس کے خلاف جنگ کے لیے بلایا گیا تھا' جن میں خصوصاً عرب

مجاہدین کا بہت بڑا کردار تھا۔ ان عرب مجاہدین کی افغانستان آمد جن لوگوں کے ذریعے ہوئی تھی ان میں سعودی عرب کے اسامہ بن لادن، فلسطین کے ڈاکٹر عبداللہ عزام اور مصر کے عمر عبدالرحمٰن المصری نمایاں ہیں۔ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کا غلغلہ بلند کر کے نوجوانوں کو یہ اُمید دلائی کہ افغانستان میں اسلامی ریاست یا خلافت قائم ہونے والی ہے۔ چنانچہ عرب، چیچن، ازبک اور لیبیا کے بہت سے نوجوان روسی فوجوں سے جنگ کے لیے افغانستان آ گئے اور اس طرح سے امریکہ کا مقصد پورا کیا۔ اگرچہ ان کا مقصد تو جہاد کے نتیجے میں افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام تھا، وہ امریکی ایجنٹ نہیں تھے، لہٰذا انہوں نے بڑی بے جگری سے جنگ کی اور ان کے ساتھ افغانیوں نے بھی خوب قربانیاں پیش کیں، کیونکہ ان کا تو اپنا وطن تھا اور امریکہ نے بھی روس کو توڑنے کے لیے مجاہدین کی خوب مدد کی، اور انہیں خوب استعمال کیا، جس کے نتیجے میں سوویت یونین تحلیل ہوگئی۔ اب یہ عرب جو روس کے خلاف جہاد کرنے آئے تھے وہیں ٹھہر گئے، اور جب طالبانِ افغانستان نے اسلامی حکومت قائم کر دی تب مزید عرب بھی ہجرت کر کے یہاں آ بسے۔

نائن الیون کے بعد جب امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ تاریخ کی سب سے بڑی کولیشن بنا کر افغانستان پر حملہ کیا تو ظاہر بات ہے کہ طالبان کے پاس اس قدر ہتھیار نہیں تھے، لہٰذا انہیں پسپائی اختیار کرنی پڑی اور نتیجتاً طالبان کی حکومت ختم ہوگئی۔ اب جو مقامی طالبان تھے وہ تو واپس اپنے قبیلوں میں چلے گئے یا پہاڑوں میں چھپ گئے، لیکن یہ عرب اور غیر ملکی لوگ کہاں جاتے؟ ان میں سے بہت بڑی تعداد نے پاکستان کا رخ کیا جن میں مختلف قومیتوں کے لوگ مثلاً عرب، چیچن اور ازبک شامل تھے۔ ان میں سے کئی ایک گرفتار بھی ہوئے جبکہ زیادہ تر نے قبائلی علاقوں میں پناہ لی اور وہاں آباد ہو گئے، حتیٰ کہ وہاں انہوں نے شادیاں بھی کر لیں اور گویا اس معاشرے کا جزو بن گئے۔ لیکن جب طالبان نے گوریلا کارروائیوں کی شکل میں امریکی قبضے کے خلاف ازسرِ نو مزاحمت (resistance) شروع کی تو یہ لوگ چونکہ اسی مقصد کے لیے آئے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا، اور جب اس معرکہ آرائی کا دائرہ پاکستان

تک وسیع ہوا اور یہاں بھی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی تو انہوں نے یہاں بھی لڑنا شروع کر دیا۔تو اس میں ایک عنصر ان لوگوں کا شامل ہے جنہیں القاعدہ کا نام دے دیا گیا ہے' حالانکہ دنیا میں القاعدہ نام کی کوئی باقاعدہ تنظیم موجود نہیں ہے۔میں خود افغانستان کے علاقوں کابل اور قندھار وغیرہ گیا تھا' وہاں میں نے القاعدہ کے نام سے کوئی ادارہ نہیں دیکھا۔میں نے تو القاعدہ کا نام ہی پہلی مرتبہ نائن الیون کے بعد بش کی زبان سے سنا تھا۔بہرحال ایک عنصر یہ ہے۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ یہاں شریعت نافذ ہو۔یہ سچّے پاکستانی طالبان ہیں۔میرے نزدیک یہ دہشت گرد نہیں ہیں' بلکہ افغان اور پختونوں کی روایات کے پابند ہیں۔

(۳) اس کے علاوہ موساد' را اور خاد کے ایجنٹ بھی طالبان کے بھیس میں پاکستان میں کارروائیاں کر رہے ہیں۔بھارت نے افغانستان میں اتنے زیادہ قونصلیٹ اسی لیے تو کھول رکھے ہیں کہ پاکستان پہلے دن سے اس کے قلب کا ناسور ہے۔اس کا تو خیال تھا کہ یہ نوزائیدہ ملک جلد ہی ختم ہو جائے گا اور اسی اُمید پر اس نے پاکستان کو تسلیم کر لیا۔یہ عنصر چاہتا ہے کہ پاکستان میں خوب بدامنی ہو تاکہ مشرق سے بھارت اور مغرب سے نیٹو کی فوجوں کے داخلے کا جواز پیدا ہو جائے اور اس کے ایٹمی دانت توڑ دیے جائیں یا اس کے ایٹمی اثاثے قبضے میں لے کر اسے بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے' چاہے وہ اسے باقی رکھے اور نیپال کی طرح اپنا تابع مہمل بنا لے۔ان لوگوں کو اسلحہ اور ہتھیار بھی بھارت فراہم کر رہا ہے اور سارے گھناؤنے کام مثلاً سکولوں کو تباہ کرنا اور مسجدوں پر حملے کرنا انہی کا کام ہے۔ہمارے مینگورہ کے ایک دوست نے کہا تھا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون لوگ ہیں' نہ تو پٹھان ہیں' نہ افغان اور نہ ہی عرب' ان کی شکلیں بھی کچھ اور ہیں۔

(۴) چوتھا عنصر سرحد کے جرائم پیشہ لوگ ہیں' جن کا کام لوٹ مار کرنا ہے۔اس لیے وہ اغوا برائے تاوان بھی کرتے ہیں' گھروں کو بھی لوٹتے ہیں۔انہیں دولت چاہیے جس طریقے سے بھی حاصل ہو۔اور ان چاروں عناصر کی جو بھی کارروائی ہوتی ہے وہ طالبان کے

کھاتے میں پڑ رہی ہے۔ حالانکہ ان میں طالبان کا صرف ایک عنصر شامل ہے جو میں نے نمبر دو پر پاکستانی طالبان کے عنوان سے گنوایا ہے۔

مسلح بغاوت کی جو یہ صورت بن چکی ہے اسے شروع میں بہت کامیابیاں حاصل ہوئیں، پولیس مکمل طور پر ناکام ہوگئی، ایف سی سے بھی حالات سنبھالے نہ گئے اور فوج کی جزوی کارروائی سے بھی یہ لوگ قابو میں نہ آ سکے۔ تب مجبوراً حکومت نے صوفی محمد صاحب کو آزاد کیا، ان سے مذاکرات شروع کیے اور نتیجتاً ایک امن معاہدہ ہوا اور پورے علاقے میں امن قائم ہوگیا۔ دو مہینے تک اس علاقے میں مثالی امن قائم رہا، سوائے اس کے کہ ایک جگہ ایک کھلونا بم پھٹا جو یقیناً کسی ''را'' یا ''خاد'' کے ایجنٹ نے پھینکا ہوگا۔ اس قدر سکون کی فضا قائم ہوئی کہ پورے ملک میں خوشی کے شادیانے بجائے گئے۔ پاکستان بھر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا کہ سکول کھل گئے، مارکیٹیں کھل گئیں اور دوبارہ وہی چہل پہل ہوگئی۔ لیکن کچھ حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی کہ یہ معاہدہ کیوں کیا گیا ہے، یہ تو دہشت گردوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے گئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر امریکہ نے واویلا کیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ع ''ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں''۔ نیٹو کی طرف سے احتجاج ہو رہا ہے کہ یہ کیوں ہوگیا؟ اور دوسری طرف ہمارا سیکولر طبقہ تھا جن میں سب سے زیادہ ایم کیو ایم نے احتجاج کیا کہ ہمیں مولویوں والا اسلام نہیں چاہیے۔ یہی معاملہ امریکہ نے اُس وقت کیا تھا جب طالبان نے افغانستان میں امن قائم کر دیا تھا۔

یہ امن معاہدہ صوفی محمد صاحب نے صوبائی حکومت سے کیا تھا، لیکن جب تک اس پر صدر پاکستان دستخط نہ کرتے یہ مؤثر (valid) نہیں تھا، جبکہ زرداری صاحب نے دو مہینے تک دستخط نہیں کیے۔ ظاہر بات ہے کہ دو مہینے میں لوگوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور ۱۲/اپریل کو طالبان نے پیش قدمی کی اور بونیر میں داخل ہوگئے۔ اس پر صوبائی حکومت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور انہوں نے وفاق کو دھمکی دی کہ اگر صدر صاحب نے دستخط نہ کیے تو ہم کولیشن سے نکل آئیں گے۔ تب بجلی کی سی سرعت کے ساتھ پارلیمنٹ

میں بل پیش ہو گیا اور ایک ہی دن میں اتفاقِ رائے سے پاس ہو گیا اور صدر نے دستخط بھی کر دیے۔ ادھر سرحد میں معاہدے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے جو مذاکرات جاری تھے ان میں دو اختلاف پیدا ہو گئے۔ ایک یہ کہ چونکہ معاہدے کے تحت طالبان نے غیر مسلح ہونا تھا لہٰذا حکومت نے کہا کہ ہتھیار ہمارے حوالے کر دو۔ اس پر طالبان نے کہا کہ ہم نے عسکریت بند کر دی ہے لیکن ہتھیار اُس وقت حوالے کریں گے جب معاہدے کی تفصیلات طے ہو جائیں گی اور نظامِ عدل بالفعل قائم ہو جائے گا۔ یہ ایک معقول بات تھی، کیونکہ وہ پہلے دو مرتبہ ۹۴۔۹۵ء اور ۹۸۔۹۹ء میں دھوکہ کھا چکے تھے۔ دوسرا اختلاف یہ تھا کہ بنیادی سطح پر تو قاضی عدالتیں قائم ہو جائیں گی لیکن ان کے فیصلوں کے خلاف اپیل کہاں ہو گی؟ تو کہا گیا کہ یہ پشاور ہائی کورٹ اور پاکستان سپریم کورٹ میں ہو گی، جس کا صوفی محمد صاحب نے انکار کر دیا کہ یہاں تو شریعت کے مطابق فیصلے ہوں گے اور ان کے خلاف اپیل وہاں کیسے ہو سکتی ہے جہاں جج علماء نہیں ہیں اور شریعت کے مطابق فیصلے نہیں ہو رہے ہیں؟ انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاضی عدالتوں کے اوپر دارالقضاء عالیہ اور دارالقضاء عظمیٰ بھی یہیں مالاکنڈ میں قائم ہوں جہاں ہمارے معتمد علیہ علماء ججز ہوں اور وہی اپیلیں سنیں اور فیصلے دیں۔ انہی دنوں یعنی ۲۳، ۲۴/اپریل کو صوفی محمد صاحب کی درخواست پر، جو طالبان بونیر میں داخل ہوئے تھے، واپس چلے گئے۔ ان کی واپسی کے بارے میں دو روایات ہیں۔ ایک یہ کہ سب کے سب واپس چلے گئے اور کمشنر مالاکنڈ کی یہی رپورٹ ہے، جبکہ بعض نے کہا کہ ابھی ایک سو کے قریب لوگ باقی ہیں، لیکن بہرحال انہوں نے اپنی پیش قدمی واپس لے لی۔

میرے نزدیک ان کا یہ موقف بھی درست تھا کہ جب تک نظامِ عدل بالفعل قائم نہیں ہو جاتا وہ اپنے ہتھیار نہیں رکھیں گے اور صوفی محمد صاحب کا یہ مطالبہ بھی بجا تھا کہ قاضی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرنے والی عدالتوں میں علماء ججز تعینات کیے جائیں۔ اس کے لیے پشاور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں سپیشل بنچ قائم کیے جا سکتے تھے جہاں ججز علماء ہوں۔ لیکن حکومت نے اچانک ۲۶/اپریل کو لوئر دیر میں

ایک بھرپور آپریشن شروع کر دیا اور ۲۸/اپریل کو افواج پاکستان بونیر میں اور ۵/۶ مئی کو سوات میں داخل ہوگئیں۔ اُس وقت سے بھرپور آپریشن جاری ہے' جس میں لانگ رینج آرٹلری استعمال ہو رہی ہے' ہوائی حملے ہو رہے ہیں' ہیلی کاپٹرز کے ذریعے بمباری ہو رہی ہے اور پورے کے پورے توپ خانے جھونک دیے گئے ہیں۔ اس جنگ میں ہمارے فوجی جوان اور افسر بھی اپنی جانیں دے رہے ہیں اور اُدھر سے طالبان بھی بڑے پیمانے پر مارے جا رہے ہیں۔ لیکن اندر کی خبریں یہ ہیں کہ حکومتی اطلاعات درست نہیں ہیں' بلکہ عوامی آبادی' جو غیر مسلح ہے' اس کی بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ اس آپریشن کے نتیجے میں ۱۵ لاکھ سے زائد لوگوں نے وہاں سے ہجرت کی ہے۔ یہ ہجرت تاریخ کی سب سے بڑی داخلی ہجرت ہے۔ کچھ لوگ اپنے رشتہ داروں کے ہاں کراچی بھی گئے ہیں جس پر ایم کیو ایم اور الطاف حسین واویلا مچا رہے ہیں کہ یہاں طالبانائزیشن ہو جائے گی۔

اس سارے معاملے میں دو باتیں انتہائی غور طلب ہیں:

(۱) یہ معاہدہ کس نے توڑا ہے؟ میرے نزدیک اس کی ذمہ داری طالبان اور صوفی محمد کے بجائے حکومت پر ہے' کیونکہ سب سے پہلے معاہدے پر دستخط کرنے میں دو مہینے برباد کر دیے گئے اور پھر اسے اس کی صحیح روح کے مطابق نافذ نہیں کیا گیا۔ ان کا مطالبہ صد فی صد درست ہے کہ شرعی عدالتوں کے فیصلوں پر اپیلیں بھی علماء ہی سن سکتے ہیں۔ ایفائے عہد کے بارے میں قرآن حکیم کا واضح ارشاد ہے: ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾﴾ (الاسراء) ''عہد کی پابندی کرو' بے شک عہد کے بارے میں تمہیں جواب دہی کرنا ہوگی''۔ آیۃ البرّ میں نیکی کی حقیقت کے ضمن میں فرمایا گیا: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ﴾ (البقرۃ:۱۷۷) یعنی نیک لوگ وہ ہیں کہ جب کوئی معاہدہ کرتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں۔ ان قرآنی احکام کی خلاف ورزی حکومت نے کی ہے نہ کہ طالبان اور صوفی محمد نے۔

(۲) آرمی ایکشن اتنی تیزی سے کیوں کیا گیا اور اسے پارلیمنٹ کی طرف ریفر بھی نہیں کیا

گیا؟ حالانکہ کہنے کو تو یہاں جمہوریت ہے اور معاہدے بھی پارلیمنٹ کے ذریعہ ہوا ہے' لیکن اتنے بڑے آپریشن کی منظوری کے لیے کوئی اِن کیمرہ سیشن بھی نہیں ہوا۔ پھر مقامی آبادی کو بھی کوئی پیشگی وارننگ نہیں دی گئی کہ وہ محفوظ مقامات پر منتقل ہو جائے' بس اچانک حملہ کر دیا گیا۔ ایک صاحب نے بتایا کہ میرا بیٹا جاں بحق ہو گیا اور میں اسے دفنا بھی نہیں سکا' گھر میں فقط ایک چادر اوپر ڈال کر آ گیا ہوں۔ پھر یہ کہ لوگوں کو بیسیوں میل پیدل سفر کرنا پڑا ہے اور وہ ایسے کیمپوں میں رہ رہے ہیں جہاں کوئی سہولتیں نہیں ہیں' واش روم وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ اگرچہ لوگ کچھ نہ کچھ خوراک وغیرہ کا انتظام کر رہے ہیں لیکن اتنا بڑا انتظام کرنا کہ پندرہ لاکھ لوگ آسانی سے رہ سکیں بہت مشکل کام ہے۔ عالمی ایجنسیاں اس خدشے کا اظہار کر رہی ہیں کہ کوئی بہت بڑا انسانی المیہ وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔

اب یہ ایکشن ہوا کیوں؟ اس کے دو واضح اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ فرعونِ وقت امریکہ کی خوشنودی مطلوب تھی' جسے امام خمینی نے ''شیطانِ بزرگ'' کا نام دیا تھا۔ وہ اِس وقت دنیا میں یہودیوں کا سب سے بڑا آلۂ کار ہے۔ صدر اوباما نے اپنی تقریر میں دو باتیں کہی تھیں۔ ایک یہ کہ پاکستان کی سیاسی حکومت کمزور ہے۔ یعنی معاہدہ کرنا کمزوری کی علامت ہے۔ گویا حکومت کو اس بات پر اُبھارا گیا کہ تمہیں طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہیے' تم نے اسلام کے نام لیواؤں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ اُس نے دوسری بات یہ کہی کہ پاک فوج پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی ہے کہ ہم ساٹھ سال سے اس وہم کا شکار ہیں کہ ہمارا اصل دشمن بھارت ہے' جبکہ ہمارا حقیقی دشمن تو بنیاد پرستوں کی صورت میں ہمارے اندر موجود ہے۔ اس طرح اُس نے ہماری فوج اور حکومت کے درمیان ایک خلیج پیدا کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی ساتھ فوج کی پیٹھ ٹھونک دی ہے کہ اس پر حقیقت کا انکشاف ہو چکا ہے۔ لہٰذا سیاسی حکومت نے اپنی طاقت کا اظہار کرنے کے لیے اور فوج نے اپنے ''حقیقی دشمن'' کو ختم کرنے کے لیے یہ اقدام کیا ہے۔

آرمی ایکشن کا دوسرا سبب یہ ہے کہ زرداری صاحب کی امریکہ یاترا ہونے والی

تھی، جہاں انہیں ہر طرح سے بھیک مانگنی تھی، تو وہاں کیا مُنہ لے کر جاتے؟ امریکہ بہادر تو سیاسی حکومت کی کمزوری کا فتویٰ دے چکا تھا، لہٰذا میرے نزدیک یہ تار امریکہ کے ایما پر ہلی ہے اور زرداری صاحب کے حکم پر دفعتاً حملہ کیا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حملے کے کیا متوقع نتائج نکل سکتے ہیں اور کیا امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اگر فوج اس آپریشن میں ناکام ہو جاتی ہے تو کیا ہوگا؟ طالبان کی اگرچہ کوئی باقاعدہ ٹرینڈ آرمی نہیں ہے، لیکن بہرحال ان کے پاس ہتھیار موجود ہیں اور وہ جانیں بھی دے رہے ہیں۔ ہماری فوج کی ناکامی کی صورت میں امریکہ کو پاکستان میں فوجیں اتارنے کا پورا حق حاصل ہو جائے گا کہ تم تو کچھ کر نہیں سکے اب ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا، لہٰذا مشرق سے بھارت اور مغرب سے نیٹو کی افواج داخل ہوں گی تو سب سے پہلے ہمارے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کریں گی یا کم از کم انہیں برباد کر کے پاکستان کو بھارت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں گی۔

دوسرا امکان یہ ہے کہ فوج شدت پسندوں پر قابو پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں یہاں بھی ویسی ہی مزاحمتی تحریک شروع ہو جائے گی جس طرح کی مزاحمتی تحریک کا افغانستان میں امریکہ کو سامنا ہے۔ اسی وجہ سے امریکہ افغانستان کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے، جس سے نکلنے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ عراق کی دلدل سے نکلنے کی تو انہوں نے کوئی صورت بنالی ہے لیکن یہاں بہت زیادہ پھنس گئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ افغانستان کی جنگ اب پاکستان میں لڑی جائے گی، تاکہ اگر پاکستان سے افغان طالبان کو کوئی مدد آ رہی ہے تو وہ دروازہ بھی بند ہو جائے۔ بہرحال آرمی ایکشن کی کامیابی کی صورت میں وہاں مزاحمت ختم نہیں ہوگی بلکہ مسلسل جاری رہے گی اور مالاکنڈ بھی منی افغانستان ثابت ہوگا۔ اس صورت میں پاکستان کو مالاکنڈ میں مسلسل فوج رکھنی پڑے گی، جیسے کشمیر میں بھارت نے سات لاکھ فوج رکھی ہوئی ہے۔ وہ ایک بڑا ملک ہے، اخراجات برداشت کر رہا ہے۔ آج سے دس بارہ سال قبل جنرل (ریٹائرڈ) اسلم بیگ نے کہا تھا کہ اگر کوئی ملک کسی جگہ پر پانچ لاکھ فوج مسلسل بٹھائے رکھے تو وہ ملک ختم ہو جاتا

ہے' لیکن بھارت تو ختم نہیں ہوا' جبکہ اس نے کشمیر میں اپنی فوج کی تعداد پانچ لاکھ سے بڑھا کر سات لاکھ کر دی ہے۔ ہم بہرحال بھارت کی پوزیشن میں نہیں ہیں' ہماری معاشی صورت حال ویسی نہیں ہے۔ ظاہر بات ہے ہمیں اس کے لیے مسلسل بھیک مانگنا ہوگی' اور جب بھیک مانگیں گے تو بھیک دینے والوں کا حکم بھی ماننا پڑے گا اور آئی ایم ایف کی غلامی اور اس کے ذریعے سے امریکہ کی غلامی اختیار کرنا ہوگی اور اس کے ساتھ امریکی ایجنڈے کے مطابق بھارت کو بھی منی سپر پاور ماننا ہوگا۔

امریکہ اپنے اس ایجنڈے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پاکستان سے دو مطالبے کر رہا ہے۔ ایک یہ کہ مشرقی سرحدوں سے فوج ہٹا کر مغربی سرحدوں پر لگائی جائے۔ اس مطالبے پر پہلے تو پاکستان آرمی ڈٹی رہی کہ ہم مشرقی سرحد سے فوج نہیں ہٹا سکتے' وہ انتہائی حساس (sensitive) سرحد ہے' البتہ اب طے ہو چکا ہے کہ یہاں سے فوج کا کچھ حصہ نکال کر مغربی محاذ پر جھونک دیا جائے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پاک بھارت ٹریڈنگ شروع ہو جائے اور بھارت کو پاکستان کے راستے افغانستان تک رسائی حاصل ہو جائے۔ یہی بات سورن سنگھ نے بھٹو سے کہی تھی کہ واہگہ بارڈر کھول دو تاکہ تجارت شروع ہو سکے تو بھٹو نے مسکرا کر کہا تھا کہ کشمیر کا مسئلہ حل کر دو ہم بارڈر کھول دیں گے! لیکن اب یہ طے ہو چکا ہے اور ہمارے وزیر خارجہ نے اس یادداشت پر دستخط بھی کر دیے ہیں کہ واہگہ بارڈر کھول دیا جائے گا۔ اس میں بھارت کا نام نہیں لیا گیا' صرف واہگہ بارڈر کا نام ہے' اور ظاہر ہے کہ وہ بارڈر کوئی چین یا انڈونیشیا کے ساتھ تو نہیں ہے' بھارت کے ساتھ ہی ہے۔ یعنی ہم نے دونوں اعتبارات سے بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔

اب اس بحران سے نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا' اِلّا یہ کہ اب بھی ہمارے حکمرانوں کو کچھ عقل آ جائے اور اللہ ان کے دلوں کو پھیر دے۔ وہ یقیناً ایسا کر سکتا ہے۔ یہ جو بے چینی اور خوف کے بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں' ان سے نکلنے کا راستہ صرف یہی سمجھ آتا ہے کہ سوات معاہدۂ امن کو بحال کر دیا جائے' اور حقیقی روح کے ساتھ وہاں نظامِ عدل کا نفاذ ہو' تاکہ مکمل امن و امان ہو جائے' جس کا ہم گزشتہ دو ماہ میں مشاہدہ بھی

کر چکے ہیں۔ اور اگر یہ نہ کیا گیا تو امن کسی صورت قائم نہیں ہوسکتا۔ یہاں ایک بات کا تذکرہ کرتا چلوں کہ پچھلی صدی میں مصر کے اندر بہت بڑے مؤرخ اور ادیب علامہ شکیب ارسلان گزرے ہیں، وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''میری جان کی قسم! اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، پھر بھی کوہِ ہمالیہ اور ہندوکش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا، اور اس کا عزم جوان رہے گا''۔

(حاضر العالم الاسلامی، ج ۲، ص ۱۹۷)

اس خطے کو جغرافیائی لحاظ سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ سطح مرتفع پامیر کو دنیا کی چھت (roof of the world) کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح پہیے کی تاریں (spokes) پہیے کے مرکز سے جاتی ہیں اور رِنگ کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں بالکل اسی طرح یہاں سے پہاڑی سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ ایک سلسلہ کوہِ ہندوکش کا ہے جو پامیر سے جنوب مغرب کی جانب جا رہا ہے، ایک کوہِ ہمالیہ کا ہے جو جنوب مشرق کی طرف جا رہا ہے، ایک کوہِ قراقرم ہے جو خالص مشرق میں جا رہا ہے، جبکہ ایک اور سلسلہ ہے جو روس کے اندر جا رہا ہے۔ یہاں پر کوہِ ہمالیہ اور کوہِ ہندوکش ایک مثلث بنا رہے ہیں جس کا base مالاکنڈ کا پہاڑ ہے۔ اور اس مثلث میں جو علاقہ ہے اسے ہی آج مالاکنڈ ڈویژن کہتے ہیں۔ اس علاقے کے بارے میں علامہ شکیب ارسلان نے کہا ہے کہ اگر پوری دنیا میں اسلام کی نبضیں ڈوب جائیں تو اس علاقہ میں پھر بھی اسلام زندہ رہے گا۔ یعنی ان لوگوں کے اندر اسلامی اور مذہبی جذبہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ اگرچہ بہت زیادہ شعوری سطح پر نہ بھی ہو کہ اسلام کا تصور بطور نظام ان میں موجود ہو، لیکن نماز، روزہ، شرعی حدود کے نفاذ، مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا، بدکار کو سزا دینا وغیرہ احکام سے یہ لوگ خوب واقف ہیں۔

بہرحال اگر اس معاہدہ پر عمل درآمد ہو جائے تو اس خطے میں امن کے قیام کے ساتھ ساتھ اللہ کی برکات کا بھی ظہور ہوگا۔ ہوسکتا ہے بعد میں پورا صوبہ سرحد اور بالآخر پورے پاکستان کے عوام اس کا مطالبہ کریں اور اس طریقے سے ہمارا پرانا خواب پورا

ہو جائے۔ کیونکہ جہاں اسلام قائم ہوتا ہے وہاں برکات کا نزول بھی یقیناً ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال جو آپ کو کئی بار سنا چکا ہوں دوبارہ دہراتا ہوں کہ پاکستان کے سیکولر دانشوروں میں چوٹی کی شخصیت علامہ اقبال کے بیٹے ڈاکٹر جاوید اقبال طالبان کے دورِحکومت میں افغانستان گئے تھے اور کچھ دن وہاں گزار کر آئے تھے۔ واپسی پر انہوں نے اکوڑہ خٹک میں جامعہ حقانیہ میں خطاب کیا تھا' جس میں کہا تھا کہ: ''میں اِس وقت کابل میں جو کچھ دیکھ کر آ رہا ہوں اگر چند اور مسلمان ملکوں میں ایسا ہی ہو جائے تو ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی''۔ یہ اس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری فوج اور حکومت کی صحیح جانب رہنمائی کر دے' اور اسلامی نظام کے قائم ہونے کے بعد برکاتِ الٰہی کا نزول ہو اور یہی عالمی اسلامی انقلاب کا نقطۂ آغاز بن جائے۔ (ویسے بھی مالاکنڈ خراسانِ قدیم کا حصہ ہے' جس کے بارے میں احادیثِ نبویؐ میں یہ خوشخبری ہے کہ یہاں سے لشکر جا کر امام مہدی کی خلافت کو مضبوط کریں گے)۔ اسلامی نظام کے قیام سے' ان شاء اللہ العزیز' اسلامیانِ پاکستان میں تحریک پاکستان والا جذبہ زندہ ہو جائے گا اور باہمی منافرت کی وجہ سے مسلمان جو کئی قومیتوں میں بٹے ہوئے ہیں اسلام کے لیے دوبارہ یک جان ہو جائیں گے۔ اس کے لیے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کے دل پھیر دے اور معاہدۂ امن بحال ہو جائے۔ اگرچہ آج کل فوج اور حکومت نے فضا ایسی پیدا کر دی ہے کہ صوفی محمد صاحب کے لیے کسی زبان سے کلمۂ خیر نہیں نکلتا اور آپ میں سے بہت سے لوگ میری باتوں سے اتفاق نہیں کریں گے' لیکن میں جو دیکھتا ہوں پورے خلوص سے آپ پر واضح کر دیتا ہوں۔ ہمارے لیے آخری چارۂ کار یہی ہے کہ اللہ کے دروازے پر دستک دیں' اس کے حضور توبہ کریں اور گڑگڑا کر دعا کریں کہ اس ملک کی تقدیر جن لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئی ہے' چاہے وہ فوج ہو یا سیاسی حکومت ہو' ان کو صحیح رخ پر فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

درس ٤

بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں
اسلامی انقلاب کے لیے طریق کار اور آخری اقدام

(گزشتہ سے پیوستہ)

انجینئر نوید احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾﴾ (التوبة)

سورۃ التوبۃ، آیات ۱۱۱۔۱۱۲

☆ آیت ۱۱۱

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ ''بے شک اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں جنت کے بدلہ میں'' ..... ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں'' ..... ﴿فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۖ﴾ ''پس قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں'' ..... ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ﴾ ''یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے تورات میں، انجیل میں اور قرآن میں'' ..... ﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے کا پورا

کرنے والا ہو بھی کون سکتا ہے؟'' ﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ﴾ ..... ''پس خوشیاں مناؤ اپنے اُس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے'' ..... ﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ''اور وہی ہے سب سے بڑی کامیابی''۔

◆ اِس آیت میں ایک سودے کا ذکر ہے۔ سودا کہتے ہیں لین دین کرنا' کسی سے کچھ لے کر اس کو اُس کے عوض کوئی چیز دینا۔ اِس سودے میں خریدار اللہ ہے' وہ مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید رہا ہے۔ غور کیجیے کہ ہماری حیثیت کیا ہے؟ نہ ہمارا مال اپنا ہے اور نہ ہماری جان اپنی ہے' سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ وہ جب چاہے ہماری زندگی کا چراغ گل کر دے اور جب چاہے ہمارا مال چھین لے۔ اِس کے باوجود اللہ تعالیٰ ہمارے امتحان کی خاطر اپنی عطا کردہ نعمتیں ہم سے جنت کے عوض خریدنے کا سودا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے مال اور اپنی جانیں اُس کی رضا کی خاطر لگا دیں' کھپا دیں۔

◆ جو شخص بھی کلمہ پڑھ کر ایمان لانے کا اعلان کرتا ہے وہ گویا اللہ کے ساتھ ایک عہد میں بندھ جاتا ہے۔ اب اُس کی جان اور اُس کا مال اُس کے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اب اگر بالفرض وہ مال اور جان اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کام میں لگاتا ہے تو وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت کا جرم کرتا ہے۔ اِسی لیے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے :

((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَـهٗ وَ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَـهٗ))(۱۲)

''جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اُس کا ایمان ہی نہیں' اور جو وعدہ پورا نہیں کرتا اُس کا کوئی دین نہیں''۔

انسان کے اِس امتحان کی علامہ اقبال نے کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ : ؎

چوں می گویم مسلمانم بہ لرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

''جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو کانپ جاتا ہوں۔ اِس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ کے تقاضے کیا ہیں''۔

◆ اِس آیت میں واضح کیا گیا کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو نبھاتے ہیں وہ ایسے سرفروش ہیں کہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر اللہ کے دشمنوں کی جانیں لیتے ہیں

(۱۲) صحیح الجامع الصغیر للالبانی: ۷۱۷۹۔

اور خود بھی جامِ شہادت نوش کرتے ہیں۔ البتہ اِس سے مراد یہ نہیں کہ کلمہ پڑھتے ہی ہتھیار اٹھا لیے جائیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وہ راہ اختیار کی جائے جو انسان کو قتال فی سبیل اللہ کے اعلیٰ ترین عمل کی طرف لے جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ظہورِ نبوت کے بعد دعوت کے ذریعے ایک جماعت تیار کی۔ جماعت میں شامل ساتھیوں کی ایمان و یقین، سیرت و کردار، جذبۂ ایثار و قربانی اور نظم کی پابندی کے اعتبار سے تربیت کی۔ مخاطبین پر تبلیغ اور پاکیزہ کردار کے ذریعے حجت تمام کی۔ اِس پورے عمل میں پندرہ برس لگ گئے۔ اِس کے بعد بدر کا مرحلہ آیا جس میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قتال فی سبیل اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اللہ سے عہد کو نبھانے کے لیے ہم پر اُسوۂ رسولِ اکرم ﷺ کی پیروی لازم ہے۔

◆ اللہ کے ساتھ سودا نقد نہیں بلکہ ادھار کا ہے۔ مومنوں کو جان اور مال اِس دنیا میں کھپانے ہیں لیکن اُنہیں جنت کا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔ ادھار سودے میں کھٹکا ہوتا ہے کہ پتا نہیں بدلہ ملے گا یا نہیں؟ ہم یہاں قربانیاں دے رہے ہیں اور شریعت کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، لیکن آخرت میں ہمیں کچھ ملے گا بھی یا نہیں؟ اللہ نے اِس کھٹکے کا ازالہ بڑے تاکیدی انداز میں کیا ہے۔ فرمایا کہ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہے، اور اللہ نے اِس کا اعلان تورات میں کیا، انجیل میں کیا اور اب قرآن میں بھی کر رہا ہے۔ اللہ سے بڑھ کر وعدہ وفا کرنے والا کون ہے؟ گویا اللہ خود اپنے عہد کا ضامن بن رہا ہے۔ اب اِس عہد کے پورا ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

◆ آیت کے آخر میں سودے کے لیے لفظ ''بیع'' آیا ہے۔ اِسی سے لفظ بیعت بھی بنتا ہے۔ کسی سے سودا کرنے کے بعد جو ہاتھ ملایا جاتا ہے یہی اصل میں بیعت ہے۔ بعض اوقات معاہدہ کسی ادارے کے ساتھ ہوتا ہے لیکن اُس کے لیے معاملات ادارے کے نمائندہ سے طے کیے جاتے ہیں۔ معاہدے پر دستخط کے بعد بیعت یعنی hand shake نمائندے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح بندۂ مؤمن کا سودا تو اللہ کے ساتھ ہے لیکن یہ اللہ کے نمائندے یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی وساطت سے ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ﴾

''بے شک اے نبیؐ جو لوگ آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے

بیعت کر رہے ہیں‘‘۔

حق و باطل کا معرکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد باطل کے خلاف منظم جدوجہد کے لیے اب بیعت کسی ایسے اُمتی کے ہاتھ پر ہوگی جس کے خلوص و اخلاص‘ دیانت اور قیادت کی صلاحیت پر اعتماد ہو‘ لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اصل عہد اُس اُمتی سے نہیں بلکہ اللہ سے ہے۔ باطل کے خلاف کامیابی کے لیے منظم جدوجہد ضروری ہے۔ اس کے لیے تنظیم کے قیام کی منصوص اور مسنون اساس بیعت ہی ہے۔

◆ آخر میں فرمایا گیا کہ خوشیاں مناؤ اُس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے۔ اِس سے بڑی سعادت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان عارضی زندگی میں اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی خوشنودی کے لیے لگا دے‘ کھپا دے‘ یعنی invest کر دے‘ پھر ابدی زندگی میں ہمیشہ ہمیش کی جنت کی لذتیں حاصل کرے۔ بلاشبہ یہی تو ہے سب سے بڑی کامیابی!

☆ آیت ۱۱۲

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ ’’توبہ کرنے والے‘‘ ..... ﴿الْعٰبِدُوْنَ﴾ ’’بندگی کرنے والے‘‘ ..... ﴿الْحٰمِدُوْنَ﴾ ’’حمد و ثنا اور شکر کرنے والے‘‘ ..... ﴿السَّآئِحُوْنَ﴾ ’’دُنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی کرنے والے‘‘ ..... ﴿الرّٰكِعُوْنَ﴾ ’’رکوع کرنے والے‘‘ ..... ﴿السّٰجِدُوْنَ﴾ ’’سجدہ کرنے والے‘‘ ..... ﴿اٰلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ’’نیکی کا حکم دینے والے‘‘ ..... ﴿وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ’’اور برائی سے روکنے والے‘‘ ..... ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ﴾ ’’اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنیوالے‘‘ ..... ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۱۲﴾﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجئے ایسے مومنوں کو۔‘‘

◆ اِس آیت میں اُن مؤمنوں کے نو (۹) اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں جو اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اوصاف مؤمنین کے اعمال نہیں بلکہ طرزِ عمل (attitude) کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِن میں سے پہلے چھ اوصاف کا تعلق فرائض دینی کی پہلی منزل یعنی ذاتی زندگی میں اللہ کی بندگی سے ہے۔ اِس کے بعد دو اوصاف فرائض دینی کی دوسری منزل یعنی دوسروں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دینے سے متعلق ہیں۔ آخری وصف فرائضِ دینی کی تیسری منزل یعنی اقامتِ دین کی جدوجہد کو نمایاں کر رہا ہے۔

◆ پہلا وصف بیان ہوا ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ﴾ یعنی توبہ کرنے والے۔ مومنین کا مستقل طرزِ عمل

یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں' اور جب بھی احساس ہوتا ہے کہ گناہ ہو گیا ہے تو فوراً اللہ کی طرف پلٹتے ہیں اور اُس سے بخشش مانگتے ہیں۔

◆ دوسرا وصف ہے ﴿اَلْعٰبِدُوْنَ﴾ یعنی وہ زندگی کے جملہ معاملات میں ذوق وشوق کے ساتھ اللہ کی بندگی کی روش اختیار کرتے ہیں۔

◆ تیسرا وصف ہے ﴿اَلْحَامِدُوْنَ﴾ یعنی وہ دل سے' زبان سے اور ہر نعمت کا اللہ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کے طرزِ عمل سے اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ اِس وصف کا تعلق انسان کے شعور اور فکر کے ساتھ ہے۔ جتنی اللہ کی معرفت بڑھے گی اتنے ہی اللہ کے لیے شکر کے جذبات بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔

◆ چوتھا وصف ﴿اَلسَّآئِحُوْنَ﴾ ہے کہ وہ سیاحت کرنے والے (لذاتِ دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے) ہوتے ہیں۔ جس طرح سیاحت یعنی سفر کے دوران انسان اپنے گھر کا آرام چھوڑ دیتا ہے اِسی طرح معنوی اعتبار سے سیاحت یہ ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر عیش و آرام اور لذاتِ دُنیوی کو چھوڑ دینا اور قناعت اختیار کرنا۔ عیسائیت میں اِسی نے رہبانیت کی شکل اختیار کر لی۔ اسلام میں سیاحت روزہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ روزہ میں نہ کھانا ہے' نہ پینا ہے اور نہ تعلق زن وشو ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں بھی انسان کو گھر کے آرام اور گھر کی سہولتوں وغیرہ کو چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلنا پڑتا ہے۔ اللہ کے مؤمن بندے اللہ کی خاطر ہر وقت آرام و آسائش ترک کر کے اُس کی راہ میں مال و جان لگانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ نوٹ کیجئے دُنیوی معاملات میں تو گھر والے کبھی آڑے نہیں آتے۔ جہاں بہتر روزگار مل رہا ہو وہاں گھر والے خود بھیجتے ہیں اور سامان باندھنے میں بیوی بچے سب لگ جاتے ہیں۔ البتہ دین کے معاملے میں کہتے ہیں پاگل ہو گئے ہو' دماغ خراب ہو گیا ہے؟ گھر بار چھوڑ رہے ہو؟ بیٹھے رہو! اگر معاملہ یہ ہو کہ دنیا کے لیے تو بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ کی تلاش میں یہاں سے وہاں نقل مکانی کرتے پھریں' لیکن دین کے معاملے میں یہ سمجھیں کہ یہ کیسے مناسب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں اختیار دے دیا جائے کہ وہ جب ہمیں طلب کرے' ہم حاضر ہو جائیں! یہ چیز عکس ڈال رہی ہے انسان کے value structure پر کہ اُس کے ہاں کس چیز کی کیا اہمیت ہے۔ کوئی تحریک اِس کے بغیر نہیں چل سکتی کہ یہ طے کر لیا جائے کہ ہماری ترجیح اللہ اور اُس کے دین کے ساتھ ہے' زمین کے ساتھ نہیں۔ سورۃ العنکبوت میں یہی بات

فرمائی گئی ہے:

﴿ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ ﴾

''اے میرے اہل ایمان بندو! میری زمین وسیع ہے' پس تم میری ہی بندگی کرو''۔

یعنی دین کے تقاضے جہاں اور جس طور سے بہتر سے بہتر ادا ہوں وہاں چلے جاؤ۔ حرکت میں رہو! زمین کے اندر کہیں جڑیں نہ اُتار لو کہ نہ زمین ہلے نہ ہم ہلیں۔ انسان سوچتا ہے کہ میں نے یہاں محنت کی ہوئی ہے' یہاں پریکٹس جمائی ہوئی ہے' میری بیس سال کی مشقت اِس زمین میں گڑی ہوئی ہے' یہاں سے ہل جاؤں تو مجھے کہیں جا کر از سرِ نو پریکٹس جمانی ہوگی۔ یہاں میری شہرت ہے اور میرے تعلقات ہیں۔ تو فرمایا کہ مؤمن بندے اللہ کی راہ میں سیاحت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اُن کا نظریہ بقول اقبال یہ ہوتا ہے ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست۔

◆ پانچواں وصف ہے ﴿الرّٰکِعُوۡنَ﴾ یعنی رکوع کرنے والے' اور چھٹا وصف ہے ﴿السّٰجِدُوۡنَ﴾ یعنی سجدہ کرنے والے۔ یہ دو اوصاف اللہ کے محبوب بندوں کی عاجزی و انکساری کو بھی ظاہر کر رہے ہیں اور نماز میں شغف سے اُن کے اللہ تعالیٰ سے تعلق کو بھی' جیسے سورۃ الفتح کی آخری آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہوا :

﴿تَرٰىهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ‌ؕ﴾

''تم اُنہیں دیکھتے ہو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے' وہ اللہ کا فضل اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ اُن کی نشانی ہے اُن کے چہروں میں سجدوں کے اثرات''۔

◆ ساتواں وصف ہے ﴿الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾ یعنی نیکی کا حکم دینے والے' اور آٹھواں وصف ہے: ﴿النَّاهُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ﴾ یعنی برائی سے روکنے والے۔ برائی سے روکنے کی سب سے اونچی شکل ہے اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنا۔ اِسی کا ذکر ہوا نویں وصف کے طور پر' یعنی ﴿الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ﴾ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ ایک ہے خود حدود اللہ پر قائم رہنا۔ اِس کا حکم تو پہلے آ چکا ہے ''اَلۡعٰبِدُوۡنَ'' کے وصف میں۔ یہاں اِس کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ مؤمن بندے اللہ کی حدود کے پہرے دار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ :

ترے عشق کی کرامت یہ نہیں تو اور کیا ہے
مرے پاس سے نہ گزرا کبھی بے ادب زمانہ

اگر کسی محفل میں شعائر اللہ کا مذاق اڑایا جارہا ہو تو وہ وہاں بھی احتجاج کرتے ہیں' اور اگر اجتماعی سطح پر اللہ تعالیٰ کی حدود کا مذاق اڑایا جارہا ہو' یا اُنہیں نافذ نہ کیا جارہا ہو' یا اُنہیں پامال کیا جارہا ہو تو اُن کی غیرت جوش میں آجاتی ہے۔ وہ کمر کس کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حدود کو نہیں توڑنے دیں گے۔ ہم اللہ کے سپاہی ہیں اور اُس کی حدود کے محافظ ہیں۔ ہمارے جیتے جی اللہ کی حدود پامال نہیں ہوسکتیں۔ لیکن ایسا کرنا کسی فردِ واحد کے لیے بغیر کسی تیاری کے ممکن نہیں ہے۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہو جائے اور اپنی جان دے دے' لیکن اس طرزِ عمل سے کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ سنتِ نبوی ﷺ ہے کہ ابتدا میں اللہ کی حدود کی پامالی کو بادلِ ناخواستہ برداشت کیا جائے' لیکن اُس کے خلاف منظّم اور تربیت یافتہ جماعت کی فراہمی کے ذریعے تیاری کی جائے۔ جب یہ تیاری ہو جائے تو حدود اللہ کی حفاظت کے لیے فیصلہ کن اقدام کیا جائے۔ گویا دور رس منصوبہ بندی (long term planning) کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت کا دیرپا بندوبست کیا جائے۔ ایک ایسی منظّم جماعت فراہم ہو کہ وہ نہ صرف حدود اللہ کو قائم کرے بلکہ اُن کی حفاظت کے لیے جانیں دینے کو تیار ہو۔ ایسے ہی سرفروشوں کے لیے آیت کے آخر میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور مؤمنوں کو خوشخبری دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آیتِ مبارکہ میں بیان شدہ اوصاف کا مصداق بنا دے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی حدود کے وہ محافظ بن جائیں جن کے لیے یہاں پر خوشخبری کی نوید سنائی گئی ہے۔ آمین!

◆ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ''اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ'' کی کامل مثال تھے۔ اگر آپ ﷺ چاہتے تو مکی دور میں بھی حرمِ کعبہ میں نصب کیے ہوئے بتوں کو توڑ سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے بھرپور تیاری کے بعد یہ کام کیا' اور اس طرح کیا کہ اب تا قیامِ قیامت حدودِ حرم میں بت نصب نہیں ہو سکتے۔ آج ہم ویسے تو مسلمانوں کے معاشرے میں جی رہے ہیں' لیکن یہ ایک بگڑا ہوا معاشرہ ہے جہاں اللہ کی حدود کا نفاذ تو کجا اُن کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ اِن حدود کے نفاذ اور پھر اُن کی حفاظت کے لیے ہمیں نبی اکرم ﷺ کے طریقہ سے ہی رہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔

دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کے لیے طریق کار

دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب اُسی طریق کار سے آئے گا جس طریق کار سے اِسے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے برپا کیا تھا۔ امام مالکؒ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے:

"لَا یَصْلُحُ آخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا"

''اس اُمت (مسلمہ) کے آخری حصے کی اصلاح اُسی طریق پر ہوگی جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کا طریق انقلاب

نبی اکرم ﷺ نے جو عظیم الشان انقلاب برپا فرمایا' اِس کی تکمیل چھ مراحل سے گزر کر ہوئی:

(۱) پہلا مرحلہ دعوت کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ حکیم کے ذریعے لوگوں کو دعوت دی کہ نہ صرف اللہ ہی کو معبود تسلیم کریں بلکہ ایسے نظام کے قیام کے لیے مال اور جان سے جہاد کریں جس میں ہر سطح پر اللہ ہی کی اطاعت جاری وساری ہو۔

(۲) دوسرا مرحلہ تنظیم کا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بیعتِ سمع وطاعت کے مضبوط نظم کے ذریعے دعوت قبول کرنے والوں کو منظّم کیا۔

(۳) تیسرا مرحلہ تربیت اور تزکیہ کا ہے۔ آپ ﷺ نے قرآنِ حکیم کی آیات سنا سنا کر ساتھیوں کے دل سے دنیا کی محبت نکالی، اُن میں اللہ کی محبت اور آخرت کی کامیابی کی فکر پیدا کی' نظم کی پابندی کا خوگر بنایا' شریعت پر عمل کا شوق اور اُس کے نفاذ کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

(۴) چوتھا مرحلہ صبر محض کا ہے۔ آپ ﷺ نے مناسب قوت کی فراہمی تک ساتھیوں کو زبانی اور جسمانی ایذاؤں کو برداشت کرنے اور جوابی کارروائی نہ کرنے لیکن اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی تلقین فرمائی۔

(۵) پانچواں مرحلہ اقدام کا ہے۔ مناسب تربیت یافتہ افرادی قوت کی فراہمی کے بعد آپ ﷺ نے نظامِ باطل کی دکھتی رگ کو چھیڑا' یعنی قریش کے تجارتی راستوں پر پہرے بٹھا کر اُن کی معاشی ناکہ بندی کی۔ وادیٔ نخلہ میں ایک مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا اور اُس کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے قریش نکل کھڑے ہوئے۔

(۶) چھٹا مرحلہ مسلح تصادم کا ہے۔ اقدام کے بعد قریش پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کو کچلنے کے لیے سن ۲ ہجری میں بدر کے میدان میں آئے اور مسلح تصادم کے مرحلہ کا آغاز ہوگیا۔ یہ مرحلہ سن ۸ ہجری یعنی فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ سے اسلامی انقلاب کی تکمیل ہوئی۔

دورِ حاضر میں آخری اقدام

◆ دورِ حاضر میں آخری اقدام کے حوالے سے کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جس دائرۂ کار میں انقلاب کی تکمیل فرمائی، وہاں ایک منظّم ریاست قائم نہ تھی۔ ہمیں اِس وقت ایک ایسے معاشرے میں کام کرنا ہے جہاں ایک ریاست منظّم اور مؤثر طاقت کے ساتھ کارفرما ہے، اور وہ نہ صرف اجتماعی بلکہ بعض اعتبارات سے انفرادی معاملاتِ زندگی پر بھی حاوی ہے۔ پھر ریاست میں برسرِ اقتدار طبقہ کے پاس اپنے قائم کردہ نظام کے تحفظ کے لیے ہر طرح کے اسباب و وسائل اور لاکھوں کی تعداد میں جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہمہ وقت اور تربیت یافتہ افواج موجود ہیں۔ دوسری طرف عوام بالکل نہتے ہیں۔ اِس وجہ سے حکومت کے خلاف کسی مسلح تصادم میں کامیابی کا امکان محال نظر آتا ہے۔

◆ مسلح تصادم کے حوالے سے دوسری مشکل یہ ہے کہ دورِ نبوی ﷺ میں ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف کافر تھے۔ جو آپ ﷺ پر ایمان لائے وہ مسلمان تھے اور جو ایمان نہیں لائے وہ کافر تھے۔ لہٰذا وہاں بالکل دوٹوک اسلام اور کفر کی جنگ تھی۔ یہاں یہ معاملہ نہیں ہے۔ یہاں ایک بگڑا ہوا مسلمان معاشرہ ہے۔ فقہی اور قانونی اعتبار سے یہاں لوگ مسلمان ہیں، خواہ کوئی فاسق ہے یا فاجر، اور مسلمان کے کچھ حقوق ہیں۔ مقابلہ باطل نظام کے محافظ کلمہ گو مسلمانوں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تمام مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو کو محترم قرار دیا۔ کسی مسلمان کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کے حوالے سے آپ ﷺ کا ارشاد ہے :

((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)) (۱۳)

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ کلمہ گو مسلمان حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے لیے فقہاءِ احناف

(۱۳) صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب قول اللّٰہ تعالٰی ومن احیاھا.....

نے دو شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی یہ کہ حکمران کھلم کھلا کفر کا نفاذ کر رہے ہوں' اور دوسری یہ کہ مناسب اسباب اِس حد تک فراہم کر لیے جائیں کہ فتح کا غالب امکان محسوس ہو۔ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ موجودہ دور میں اسباب یعنی ہتھیاروں اور عسکری تربیت کے اعتبار سے حکومت اور عوام میں بہت زیادہ عدم توازن ہے اور حکومت کے ساتھ مسلح تصادم کی صورت میں فتح کا امکان محسوس نہیں ہوتا۔ گوریلا جنگ کے ذریعے حکومت کو نقصان تو پہنچایا جا سکتا ہے لیکن اقتدار حاصل کر کے دین قائم کر دینا ممکن نہیں۔

◆ مذکورہ بالا دو مشکلات کے پیش نظر آخری اقدام کے لیے ہمیں غور و فکر کر کے کوئی اور عنوان اور طریقہ تلاش کرنا ہوگا۔ اب یہ طریقہ بھی ہمیں کہیں باہر سے نہیں تلاش کرنا۔ یہ پوری وضاحت کے ساتھ قرآنِ حکیم اور سنت رسول ﷺ میں موجود ہے۔ یہ ہے درحقیقت فریضہ ''نہی عن المنکر'' جسے قرآن و حدیث میں بہت نمایاں کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ اِس درس میں بیان کی جا چکی ہیں۔

اِن احادیثِ مبارکہ میں معاشرے کی اصلاح کے لیے واضح لائحۂ عمل ہمارے سامنے آ گیا ہے کہ طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت حاصل کرو! جیسے ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (الانفال: ٦٠) ''اور اُن کے مقابلے کے لیے اپنی امکانی حد تک تیاری کرو''۔ آج کے دَور کی اصل طاقت جماعت ہے' لہٰذا جماعت فراہم کرو! جب ایک منظّم جماعت وجود میں آ جائے تو پھر عوامی دباؤ کے ذریعے حکومت کو اسلامی اقدار کے نفاذ پر مجبور کرو۔ یہ احادیث واضح کر رہی ہیں کہ نہی عن المنکر کے تین مراتب ہیں۔ اِن میں سب سے اونچا مرتبہ نہی عن المنکر بالید ہے۔ آیئے سمجھیں کہ موجودہ دور میں نہی عن المنکر بالید کی صورت کیا ہوگی۔

◆ نوٹ کیجئے کہ زمانے نے جہاں مسلح اقدام کو بہت ہی مشکل بنا دیا ہے وہاں زمانے نے ایک متبادل طریقہ بھی پیدا کیا ہے۔ یہ اُس سیاسی ارتقاء (political evolution) کی وجہ سے ہوا جس کا اکثر و بیشتر لوگوں کو شعور نہیں۔ سیاسی اداروں کے ارتقاء سے آج یہ بات واضح ہوئی ہے کہ حکومت اور شے ہے جبکہ ریاست اور شے۔ جیسے موٹر' ریل' ہوائی جہاز مادّی ایجادات ہیں' ویسے ہی یہ عمرانی ایجادات ہیں۔ مادّی ایجادات کا تو ہم بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں' لیکن اِس عمرانی ایجاد کا فہم و شعور' خاص طور پر ہمارے رجالِ دین کے طبقے میں موجود نہیں ہے۔ اُنہوں نے جدید پولیٹیکل سائنس کا مطالعہ نہیں کیا۔

جدید پولٹیکل سائنس کی رُو آج کے دَور میں حکومت تو پہلے کے مقابلے میں ایک تہائی رہ گئی ہے' اصل شے اب ریاست ہے۔ شہری کی وفاداری ریاست سے ہے' حکومت سے نہیں۔ حکومت تو اب ریاست کے تین بنیادی اعضاء (organs) یعنی مقنّنہ (Legislature)' عدلیہ (Judiciary) اور انتظامیہ (executive) میں سے ایک ہے۔ اداروں کے اِس تعین کا آغاز دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں ہوگیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں مجلس شوریٰ وجود میں آ چکی تھی اور علیحدہ سے قاضی کا تقرر ہو چکا تھا۔ یورپ نے مسلمانوں سے یہ رہنمائی لی اور بعد میں اِسے مزید واضح کر دیا۔

جدید سیاسی نظام میں حکومت کے پاس صرف ایگزیکٹو کا کردار ہے' یعنی یہ صرف تنفیذی اور انتظامی قوت ہے۔ شہریوں کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ حکومت کی تشکیل میں رائے دیں اور ناپسندیدہ حکومت کو بدلنے کے لیے عوامی تحریک چلائیں۔ البتہ حکومت کی تبدیلی کا ایک جمہوری یعنی انتخابی طریق کار ہے اور ایک انقلابی یعنی احتجاجی طریق کار۔ نظام میں بنیادی تبدیلی احتجاجی طریق کار ہی سے ممکن ہے۔ اِس طریق کار کے حوالے سے شہریوں کا حق ہے کہ وہ جماعت سازی کریں' پُر امن مظاہرے کریں' گھیراؤ کریں اور دھرنے دیں۔ گویا تمدنی ارتقاء نے ایک دروازہ بند کیا ہے تو دوسرا دروازہ کھول دیا ہے۔ آدمی کو اگر اِن چیزوں کا شعور نہ ہو تو بھی وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو کر رہ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں کیا کرے اور کیسے کرے؟ اِس سیاق و سباق میں نہی عن المنکر کی جو اہمیت قرآن و حدیث سے ہمارے سامنے آتی ہے اِس کو سمجھنے کے لیے منتخب نصاب نمبر۲ میں اِس درس کو شامل کیا گیا ہے۔

◆ آج کے حالات میں اسلامی انقلاب کے لیے آخری اقدام کا عنوان ہوگا ''نہی عن المنکر بالید اور حدود اللہ کی حفاظت''۔ یہ اقدام پُر امن اور غیر مسلح منظّم احتجاج کی صورت میں کیا جائے گا۔ اِس احتجاج میں کسی ایسے منکر کے خلاف احتجاج کرنا ضروری ہوگا جس کا خلافِ شرع ہونا تمام دینی طبقات کے نزدیک مسلّم ہو۔ مثال کے طور پر عریانی و فحاشی کی اشاعت' سودی معیشت کی ترویج وغیرہ۔ ایسے منکر کے خلاف اقدام ریاست کے اہم اداروں کے پُر امن گھیراؤ اور سول نافرمانی کی تحریک کے ذریعے ہوسکتا ہے۔ اِن پُر امن اور منظّم مظاہروں کے ذریعے سے حکومتِ وقت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اُس منکر کا قلع قمع کرے اور اِس کے سدِّ باب کے لیے قانون سازی کرے۔ یہ طریقہ حکومت کے خلاف بغاوت کا نہیں اور نہ ہی

قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کا ہے۔ پھر اِس طریقہ میں اقتدار کی طلب بھی نہیں' بلکہ مسلمان حکمرانوں سے مسلم معاشرے میں منکرات کو ختم کرنے اور شریعتِ اسلامی کے مطابق قانون سازی کرنے کا مطالبہ ہے۔ اگر حکومت یہ مطالبہ نہیں مانتی تو پھر مظاہرین کو قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے' تشدّد برداشت کرنے اور یہاں تک کہ جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔ یہ طرزِ عمل اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اُسوہ کے مطابق ہوگا جنہوں نے مکی دَور میں ہر طرح کی تکالیف برداشت کیں لیکن جواب میں کوئی اقدام نہ کرتے ہوئے اپنے موقف پر ڈٹ کر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

البتہ اِس طرح کے پرامن احتجاج سے قبل ضروری ہے کہ:

(۱) انقلابی جماعت نے معاشرے میں دعوت کا حق ادا کیا ہو۔ بڑی وضاحت کے ساتھ اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کی فرضیت' اسلامی انقلاب کے برپا کرنے کی اہمیت اور اُس کی برکات لوگوں کے سامنے پیش کی ہوں' اور ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات و اعتراضات کے جوابات دیے ہوں۔

(۲) انقلابی جماعت میں شامل کارکنان نے اپنے اپنے دائرۂ کار میں شریعت کے احکامات پر امکانی حد تک عمل کر کے اپنے سیرت و کردار کا لوہا منوایا ہو۔ عوام الناس اُن کے قول و فعل کی مطابقت کے قائل ہوں۔ اُنہوں نے تزکیہ کے مراحل طے کیے ہوں' اُن کا مطلوب و مقصود اللہ کی رضا کا حصول اور نجاتِ اُخروی ہو' اور اُن کے دل راہِ حق میں جان دینے کے لیے بے چین ہوں۔

(۳) انقلابی جماعت ایک شخص کی قیادت میں احکامات سننے اور ماننے کے اصول پر پوری طرح سے منظّم ہو۔ مختلف مناصب پر تربیت یافتہ افراد فائز ہوں اور کارکنان نظم کے خوگر ہونے کا ثبوت دے چکے ہوں۔

مندرجہ بالا مراحل طے کر کے ہی انقلابی جماعت کو انقلاب کے آخری مرحلے یعنی میدان میں آ کر پرامن احتجاج کا آغاز کرنا چاہیے۔

◆ پرامن اور منظّم احتجاج کے تین ممکنہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں :

(i) حکومت اِن مظاہروں کے نتیجے میں پسپائی اختیار کرے اور منکرات کے خاتمے اور حدود اللہ کے نفاذ کا آغاز کر دے۔ اِس طرح انقلابی جماعت ایک ایک منکر کو ختم کروا کر

حدود اللہ کا نفاذ کرواتی رہے گی اور پورا نظام درست ہونے تک یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

(ii) حکومت انقلابی تحریک کو اپنے خلاف انا کا مسئلہ بنالے اور اپنی بقاء اور مفادات کے تحفظ کے لیے تحریک کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کرے۔ اِس صورت میں حکومت پر قابض مفاد یافتہ طبقات، ریاست کی پولیس، فوج اور وسائل کو اِس تحریک کے خلاف بے دریغ استعمال کریں گے۔ لاٹھیاں برسائی جائیں گی، آنسوگیس کے شیل پھینکے جائیں گے، گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی اور گرفتاریاں ہوں گی۔ اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتیٰ کہ جان دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی اور کتنوں کو شہید کرے گی؟ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی دینی بھائی اور ہم وطن ہیں۔ یہ کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اُس کے نفاذ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے نکلے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ اُلٹ جائے گا اور، اِن شاء اللہ، انقلابی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ ماضی قریب میں اِس کی ایک مثال موجود ہے۔ ۱۹۷۷ء میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی تحریک کے دوران پاکستانی فوج نے نہتے عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اُس وقت چونکہ کوئی ایک منظّم جماعت اقتدار سنبھالنے کے لیے موجود نہ تھی، لہٰذا فوج نے اقتدار پر قبضہ کرلیا۔

(iii) اگر حکومتِ وقت اِس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہوجائے تو جن لوگوں نے اِس راستے میں جانیں دی ہوں گی، اُن کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ اِن شاء اللہ وہ اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے۔ ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مکلّف یعنی ذمہ دار نہیں ہیں، البتہ اُس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے۔ مزید برآں، اِن شاء اللہ اِنہی جان نثاروں اور سرفروشوں کے خون اور ہڈیوں کی کھاد سے جلد یا بدیر کوئی نئی اسلامی انقلابی تحریک اُبھرے گی جو طاغوتی، استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی۔ اِس طرح وہ وقت آکر رہے گا جس کی خبر الصادق والمصدوق ﷺ نے دی ہے کہ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین اِسی طرح غالب ہوکر رہے گا جس طرح آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔ گویا:

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!

موجودہ دور میں غلبۂ دین کا یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح سیدھا اور واضح راستہ ہے۔

انسان کے دل میں اگر چور ہو تو وہ جدھر سے چاہے چور دروازہ بنائے اور نکل جائے' لیکن یہ بالکل سیدھا راستہ ہے' سیدھا تصور ہے۔ اس میں کہیں جھول اور ہیر پھیر نہیں ہے' اس میں کہیں تکلف اور تصنع نہیں ہے۔

کیا موجودہ دور میں قتال فی سبیل اللہ جائز نہیں؟

نبی اکرم ﷺ کے دَور میں آخری مرحلہ مسلح تصادم یعنی قتال فی سبیل اللہ کا تھا۔ اُس زمانے میں جہاد بالید کے معنی قتال ہی کے تھے' کیونکہ اُس وقت موجودہ سیاسی ادارے وجود میں نہیں آئے تھے اور نہ ہی مظاہروں (demonstrations) کا کوئی طریقہ موجود تھا۔ یہ موجودہ دور کی صورت ہے کہ قتال کے ذریعے کامیابی کا امکان نظر نہیں آ رہا اور مجبوراً عوامی دباؤ کے ذریعے مظاہروں' سول نافرمانی اور گھیراؤ کی صورت میں آخری اقدام کرنا پڑ رہا ہے۔ جہاد کی اعلیٰ ترین صورت قتال فی سبیل اللہ ہی ہے' اور اگر کامیابی کا امکان نظر آئے تو اِسی کو اختیار کرنا سنتِ نبوی ﷺ پر عمل ہے۔ آنجہانی غلام احمد قادیانی کا یہ تصور گمراہی ہے کہ: ؎

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

قتال فی سبیل اللہ ہر دور میں جائز رہے گا۔ اگر کچھ کلمہ گو لیکن فساق و فجار مسلمان دین کے راستے کے اندر ایک رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے ہوں اور آپ نے باقی سارے تقاضے پورے کر لیے ہوں تو کیا اُن کی جانیں اتنی مقدس ہیں کہ اُن کی وجہ سے دین کو پامال رہنے دیا جائے؟ یہ بات نہ عقل کی میزان پر پوری اترنے والی ہے اور نہ نقل کی میزان پر۔ امام ابوحنیفہؒ کا موقف صد فی صد درست ہے کہ مذکورہ شرائط پوری ہو رہی ہوں تو کلمہ گو فاسق حکمرانوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے جا سکتے ہیں۔ البتہ ہتھیار اُٹھانے سے پہلے سنت نبوی ﷺ کے مطابق تبلیغ' اپنے ذاتی کردار اور برائی کا جواب اچھائی سے دے کر مخالفین پر حجت تمام کرنا ہوگی۔

❁❁❁

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار

قرآن و حدیث اور تاریخ کی روشنی میں

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نام عثمان، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمر، لقب ذوالنورین۔ والد کا نام عفان تھا۔ پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ ﷺ کے جدامجد عبدمناف سے جا ملتا ہے۔ حضرت عثمان کے اجداد میں اُمیہ بن شمس تھے جو قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ خاندان بنواُمیہ اسی اُمیہ بن شمس کی طرف منسوب ہے۔ اس خاندان کے اندر بڑے بڑے نامور لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت عثمان رسول اللہ ﷺ سے عمر میں تقریباً چھ سال چھوٹے تھے۔ آپؓ مکہ کے ان چند لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو اوّلین اسلام قبول کرنے والے لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، جنھوں نے اپنے حلقۂ احباب میں دعوت و تبلیغ کے کام کا آغاز کر دیا۔ ایک روز جب حضرت عثمانؓ سے اسلام کے بارے میں بات ہو رہی تھی تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ قبولِ اسلام کا ارادہ کر لیا۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور حضرت عثمان کو دیکھ کر فرمایا: عثمان! اللہ کی جنت قبول کر، میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو بے اختیار کلمہ پڑھ کر توحید اور رسالت کی گواہی دے دی۔ اس وقت بنوہاشم اور بنواُمیہ ایک دوسرے کے حریف تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہاشمی تھے جبکہ عثمان اُموی۔ مگر حضرت عثمانؓ کا دل خاندانی تعصب سے پاک تھا اس لیے انہوں نے حق کی آواز پر بلاخوف و خطر لبیک کہہ دیا اور اپنے خاندان والوں کی اذیتوں کا نشانہ بننے لگے۔ لیکن کوئی سختی آپؓ کے پائے ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی دامادی میں قبول کر لیا اور اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپؓ سے کر دیا۔ سیدہ رقیہ کا عقد پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ ابولہب رسول اللہ ﷺ کا سگا چچا مگر بدترین

دشمن تھا' اس نے بیٹے کو مجبور کر کے بی بی رقیہ کو طلاق دلوا دی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی خوش نصیبی کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہو گیا۔

جب اسلام قبول کرنے والوں پر قریش کے سرداروں نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ چلے گئے اور چند سال وہاں گزارے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت میں عثمان پہلا شخص ہے جس نے اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کی''۔ (اصابہ' ج ۸) جب آپؓ حبشہ سے واپس آئے تو مکہ کے حالات بدتر تھے۔ قریش نے مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مدینہ ہجرت کر جانے کی ہدایت کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بی بی رقیہؓ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا تو حضرت عثمان کو اوس بن ثابت انصاری کا بھائی قرار دیا۔ یہ اوسؓ حضرت حسانؓ کے بھائی تھے۔ دونوں خاندانوں میں اس قدر محبت اور الفت پیدا ہو گئی کہ حضرت حسان حضرت عثمان کی شہادت پر حد درجہ سوگوار رہے اور ایک مرثیہ بھی کہا۔

۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت بنت رسولؐ، زوجۂ عثمان حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ ۳۱۳ ساتھیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تو حضرت عثمان کو سیدہ رقیہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتا دیا کہ مدینہ میں رکے رہنے کے باوجود انہیں غزوۂ بدر میں شریک سمجھا جائے گا اور مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی ملے گا (صحیح بخاری)۔ حضرت رقیہ اسی علالت میں وفات پا گئیں۔ جب زید بن حارثہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے اُس وقت حضرت عثمانؓ متوفیہ کی تجہیز وتکفین میں مصروف تھے۔ رسول اللہ ﷺ جنگ سے واپس آئے تو آپؐ کو صدمہ ہوا۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کی دلجوئی کی۔ انہیں بدر کا مجاہد قرار دیا اور مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ طبعاً نرم مزاج تھے لیکن بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔

۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا جس میں تیر انداز درّہ سے ہٹ گئے تو مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ مجاہدین اچانک غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا کر منتشر ہو گئے۔ خود رسول

اللہ ﷺ کو سخت زخم آئے اور آپؐ کی شہادت کی خبر اڑ گئی۔ حضرت عثمان بھی اس غزوہ میں شامل تھے۔ اس موقع پر جو اجتہادی غلطی ہوئی اور اس کے نتیجہ میں پسپائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس غلطی کی معافی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں کر دیا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۵۵﴾ (آل عمران) ''اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے' اور بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑا حلم والا ہے''۔

۶ ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ کے لیے مکہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین اس پر آمادہ نہیں کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر گفت وشنید کے لیے قریش کے پاس مکہ بھیجا۔ وہاں حضرت عثمانؓ کو دیر لگی تو افواہ پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ بڑے غم زدہ ہوئے اور تمام موجود صحابہؓ سے عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے بیعت لی۔ اس بیعت کا ذکر قرآن مجید میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ۱۸) ''بے شک اللہ راضی ہو گیا اُن اہل ایمان سے جنہوں نے درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کی''۔ چونکہ حضرت عثمانؓ اُس وقت حاضر نہ تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے خود بیعت کی اور اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا۔ یہ حضرت عثمانؓ کے لیے بہت بڑی فضیلت تھی۔ حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان اِس وقت یہاں موجود نہیں' وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے کام سے مکہ گئے ہوئے ہیں۔ میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں''۔ پھر آپؐ نے اپنا ایک دست مبارک اپنے ہی دوسرے ہاتھ پر رکھا (اور اس طرح بیعت لے لی)۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک جس سے آپؐ نے عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی وہ عثمانؓ کے حق میں ان دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا جنہوں نے خود اپنی طرف سے بیعت کی تھی۔ (ترمذی)

حضرت عثمان ؓ جب بات چیت کے لیے مکہ پہنچے تو قریش نے مسلمانوں کے مکہ میں داخلے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا اور حضرت عثمان سے کہا کہ وہ خود عمرہ کر لیں' جسے حضرت عثمانؓ نے قبول نہ کیا اور واپس حدیبیہ پہنچ گئے۔ وہاں قریش کی طرف سے بات چیت کرنے کے لیے نمائندے پہنچے اور وہ معاہدہ طے پایا جو تاریخ میں ''صلح نامہ حدیبیہ'' کے نام سے مشہور

ہے۔ چونکہ اس موقع پر اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی کا اظہار کیا گیا لہٰذا اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کہا جاتا ہے۔ اور اسی بنیاد پر صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھا جاتا ہے۔

۹ھ میں جب قیصر روم کی طرف سے عرب پر متوقع حملے کی اطلاع ملی تو رسول اللہ ﷺ نے عسکری تیاری شروع کر دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انفاق کی ترغیب دی۔ یہ زمانہ سخت تنگی، شدید گرمی اور فصلوں کی تیاری کا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے نفیر عام کا اعلان فرما دیا کہ ہر شخص اس مہم کے لیے اپنے گھر سے نکلے گا۔ یہ غزوۂ تبوک تھا جسے ''جیش العسرہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود فکر مند تھے۔ بہر حال آپؐ کی ترغیب پر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مال دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع ساز و سامان دیے۔ جب دوبارہ آپ ﷺ نے ترغیب دلائی تو دو سو اونٹ مع سامان دیے۔ تیسری بار رغبت دلانے پر تین سو اونٹ مع سامان پیش کر دیے اور اس مہم میں تیس ہزار سے زیادہ مجاہدین کا خرچہ برداشت کیا۔ اس کے علاوہ ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقدی کی صورت میں پیش کیے۔ رسول اللہ ﷺ اس نقدی کو دامن میں ڈالے اس میں اپنا دست مبارک پھیر رہے تھے اور خوش ہو کر فرما رہے تھے ''آج کے بعد عثمان کا کوئی کام اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا''۔ یہ الفاظ آپ نے دہرا کر کہے۔ (مستدرک حاکم، جامع ترمذی)

جب رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو یہاں پانی کی سخت قلت تھی۔ تمام شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں بئر رومہ تھا، جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ وہ اس کا پانی من پسند قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون اللہ کا بندہ ہے جو بئر رومہ کو خرید کر سب مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کی اجازت دے دے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا! اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا، یوں کہ ایک دن کنواں حضرت عثمان کا ہوگا اور ایک دن یہودی کا۔ حضرت عثمان پانی مفت دیتے تھے اور یہودی قیمت لیتا تھا۔ اب مسلمان حضرت عثمان کی باری کے دن اتنا پانی لے لیتے کہ ان کو دو دن کے لیے کافی ہوتا اور یہودی کی باری کے دن کوئی مسلمان پانی نہ خریدتا، چونکہ یہودی کا نفع ختم ہو گیا اس لیے اب وہ کنوئیں کا دوسرا نصف بھی فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا اور حضرت عثمانؓ نے وہ حصہ بھی آٹھ ہزار درہم میں خرید کر عام

مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (جامع الترمذی، سنن النسائی)

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی مگر جلد ہی وہ نمازیوں کے لیے تنگ ہوگئی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کون اللہ کا بندہ ہے جو فلاں گھرانے کے قطعہ زمین کو (جو مسجد سے ملحق ہے) خرید کر ہماری مسجد میں شامل کر دے تو اللہ اس کو جنت میں اس سے بہتر قطعہ عطا فرمائے گا! اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ قطعہ زمین اپنے ذاتی مال سے خرید کر مسجد نبوی میں شامل کر دیا۔ (جامع ترمذی، سنن النسائی)۔ یہ مسجد نبوی کی پہلی توسیع تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں انجام پائی۔

رمضان ۲ھ میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان کی اہلیہ تھیں، قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔ حضرت عثمانؓ کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ دامادی ختم ہو گیا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان کو غمزدہ اور پریشان دیکھا تو فرمایا: عثمان تمہارا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، کیا کسی شخص پر بھی ایسی مصیبت آئی ہے جو مجھ پر آئی ہے۔ آپؐ کی صاحبزادی جو میرے ہاں تھیں وہ وفات پا گئیں۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے۔ اس سے میری کمر ٹوٹ گئی اور آپؐ سے دامادی کے رشتے کا جو شرف مجھے نصیب تھا اب وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان! تم ایسا کہتے ہو؟''۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہ جو میں نے کہا ہے اس پر اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے عثمان! یہ جبریل امین ہیں جو مجھے اللہ کا حکم پہنچا رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی مرحومہ رقیہ کی بہن اُمّ کلثوم کا نکاح تم سے کر دوں اسی مہر پر جو رقیہ کا تھا اور اسی کے مثل معاشرت پر''۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی اُمّ کلثوم کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ (ابن عساکر) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس دوہری دامادی کی وجہ سے حضرت عثمان کا لقب ''ذُوالنورَین'' ہوا، یعنی دو نوروں والا۔

بعد ازاں جب حضرت اُمّ کلثوم بھی وفات پا گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ حضرت عثمان کا نکاح کر دیں۔ اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے عثمان سے اپنی بیٹیوں کا نکاح وحی کے ذریعے ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا۔ (ابن عساکر)

رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں حضرت عثمانؓ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

جب رسول اللہ ﷺ کی دوسری بیٹی (اُم کلثوم) کا انتقال ہوگیا تو آپؐ نے فرمایا: ''اے عثمان! اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان میں سے ایک کے بعد ایک کا تم سے نکاح کر دیتا' کیونکہ میں تم سے بہت راضی اور خوش ہوں''۔ (معجم اوسط طبرانی' ابن عساکر)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے دو سال اور چار ماہ خلافت کی اور وفات سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر گئے۔ حضرت عمرؓ نے ساڑھے دس سال خلافت کی۔ آپؓ کا دور عظمتِ اسلام کا سنہری دور تھا۔ حضرت عمرؓ نے شہادت کے وقت خلافت کو چھ صحابہؓ کے اندر محدود کر دیا۔ ان سب حضرات نے اپنی رائے کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے پر منحصر کر دیا کہ ان میں سے جس کو چاہیں خلیفہ مقرر کر دیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تین دن تک اہم شخصیات کے ساتھ مشورہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر تمام مہاجرین وانصار' بلادِ اسلامیہ کے امراء اور تمام مسلمانوں نے بیعت کی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چند روز کم بارہ سال خلیفہ رہے۔ آپؓ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے نظم ونسق کو بغیر کسی تبدیلی کے رائج رکھا۔ اگرچہ آپؓ طبعاً نرم مزاج تھے مگر نفاذِ شریعت کے معاملے میں کسی طرح کی نرمی برداشت نہیں کرتے تھے۔ عہد فاروقی میں عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے مفاد میں انہیں معزول کر دیا۔ اسی طرح گورنر کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو والی کوفہ مقرر کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ کے والی تھے۔ یہ بھی بہت بڑی شخصیت تھے' مگر جب اُن کے خلاف عوام کی شکایات سنیں تو انہیں معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا۔

آپؓ کے عہد میں اسلامی حکومت کا دائرہ پہلے سے وسیع ہوگیا۔ نئی فتوحات کا سلسلہ جو حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں شروع ہوا تھا وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دوران جاری رہا۔ آذربائیجان اور طبرستان فتح ہوئے۔ اسلامی افواج قہستان' طغارستان' بلخ' خوارزم' آرمینیا اور تفلیس تک پہنچ گئیں۔ خلافت عثمانی کے بعد اتنا علاقہ کبھی اسلامی سلطنت میں شامل نہ رہا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بحری طاقت مضبوط تھی۔ تمام مفتوحہ علاقوں میں عوام کی

بہبودی اور راحت رسانی کے بہت سے کام ہوئے' متعدد نہریں کھودی گئیں' چشمے جاری ہوئے' سڑکیں بنائی گئیں' پھل دار درخت لگائے گئے' تجارتی وسائل کو محفوظ اور پرامن بنایا گیا' پولیس کا محکمہ قائم ہوا۔ مسلمان خوش حال ہو گئے' زر و دولت کی کثرت ہوگئی۔ اس طرح کی صورت حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تو منفی اثرات نہ دکھا سکی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرم مزاجی کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے۔ یہودیوں نے' جن کی اسلام دشمنی قدیم سے چلی آ رہی ہے' سازشوں کا جال بچھایا۔ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ عہد عثمانی میں منافقانہ اسلام قبول کیا۔ یہ سازشی ذہن کا مالک تھا۔ فتنے پر فتنہ اٹھانے میں ماہر تھا۔ پہلے تو بلادِ اسلامیہ کی مقتدر شخصیات کو نشانے پر رکھا' بعد ازاں خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی معزولیت کی آواز اٹھائی۔ اس سازش کی بنیاد اس نے فضیلت علیؓ پر رکھی اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا۔ یہی فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب بنا اور اُمت کے اندر وہ انتشار پھیلا کہ پھر سکون و اطمینان ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فتنہ ''الفتنة الکبریٰ'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کی خبر مل چکی تھی۔ جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطاب میں ایک عظیم فتنہ کا ذکر فرمایا اور عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بندہ اس فتنہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہوگا۔ اسی طرح ایک دن آپؐ ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ کوہِ ثبیر پر تھے کہ کوہِ ثبیر حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ اُس کے پتھر اوپر سے نیچے گرنے لگے۔ آپؐ نے پہاڑ پر پاؤں مارا اور فرمایا: اُسکن ثبیر! (اے ثبیر ساکن ہو جا) کیونکہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (جامع ترمذی) بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔ گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی شہادت کا پوری طرح یقین تھا' اسی لیے وہ اس کے لیے تیار تھے۔ وہ اُس وقت دنیا کی سب سے عظیم اور طاقتور سلطنت کے فرمانروا تھے' اگر طاقت کے ساتھ ان بلوائیوں کو کچلنا چاہتے تو ذرا بھی مشکل نہ تھا بلکہ آپ کو اس بات کا مشورہ دیا جا رہا تھا' مگر آپ کو اپنی جان کی خاطر کسی ایک کلمہ گو کا خون بہانا بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ آپؓ نے کوئی مزاحمت نہ کی اور بلوائی دیوار پھلانگ کر آپؓ کے گھر کے اندر گھس گئے اور آپؓ کو شہید کر دیا۔ اس وقت آپؓ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ تلاوت کر رہے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام مسلم بن سعید سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اس دن انہوں نے بیس غلام آزاد کیے اور پاجامہ منگوا کر پہنا اور اسے مضبوط باندھا' ورنہ انہوں نے نہ اسلام لانے سے پہلے اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی پاجامہ پہنا تھا۔ اور فرمایا میں نے گزشتہ شب خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دیکھا۔ ان حضرات نے مجھ سے فرمایا: عثمان صبر پر قائم رہو' کل تم ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے۔ اس کے بعد آپؓ نے قرآن مجید منگوایا اور اس کو سامنے رکھ کر کھولا۔ پھر اسی حال میں شہید کر دیے گئے کہ قرآن مجید آپؓ کے ہاتھوں میں تھا۔ (ابن احمد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابہ میں سے تھے۔ آپؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔ آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ کوئی آیت نازل ہوتی تو آپؐ حضرت عثمانؓ کو بلا کر لکھوا دیتے۔ اُن کے خطبات ''خیر الکلام ما قلّ ودلّ'' کے مصداق ہوتے۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ حدیث کی روایت میں شیخین کی طرح حد درجہ محتاط تھے۔ صحیحین میں آپ کی مرویات صرف ۱۶ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں جمع کر دیا جو ایک عظیم کارنامہ تھا۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا' بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان کی وفات کے بعد اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد ہوا۔ جب اسلامی سلطنت کی حدود دُور دُور تک پھیل گئیں تو لوگ اپنے اپنے لہجے میں قرآن پڑھنے لگے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کا احساس کرتے ہوئے مصدقہ نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوایا' اس کی نقلیں قریشی قراءت کے مطابق تیار کیں اور تمام صوبوں میں بھیج دیں۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام اُمت کو قرآن مجید کی ایک قراءت پر جمع کر دیا۔ جہاں تک اجزائے قرآن کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اُن کے دورِ خلافت میں انجام پا چکا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے۔ جنت اور دوزخ کا تذکرہ ہوتا تو جذبات پر قابو نہ رکھ سکتے۔ اسی طرح موت اور قبر کو یاد کر کے بہت روتے۔ فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے' یہاں آسانی ہوئی تو آگے بھی آسانی ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ اور محبوب تھے۔ آپؐ کی اطاعت اور اتباع ان کی آرزو تھی۔

ہر کام میں مسنون طریقہ پیش نظر رکھتے۔ حیا آپ کا امتیازی وصف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ عثمانؓ سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی تھی۔ آپؓ عثمان غنی کہلاتے تھے۔ آپؓ جہاں فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں فراخ دل تھے اسی طرح خود اپنی ذات پر بھی خرچ کرتے تھے کہ یہ بھی شکر نعمت کا ایک انداز ہے۔ ہاں نمود و نمائش اور اسراف کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔ اپنے عزیز و اقارب کی ضروریات کا ہر وقت خیال رکھتے۔ ثروت اور کشادگی کے باوجود طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی۔ لونڈی اور غلام موجود ہوتے مگر اکثر اپنے کام خود کر لیتے اور ان کو تکلیف نہ دیتے۔ ہر جمعہ کے دن ایک غلام آزاد کرتے اور کسی جمعہ کو ناغہ ہو جاتا تو اگلے جمعہ کے دن دو غلام آزاد کرتے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپؓ نے جس فیاضی سے مال دیا اس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صبر و تحمل کا پیکر تھے۔ اتنی بڑی سلطنت کا حکمران ہونے کے باوجود مظلومانہ شہادت کو قبول کیا مگر باغیوں کے خلاف کارروائی کا حکم نہ دیا۔ رات کی عبادت آپ کو مرغوب تھی۔ رات کا اکثر حصہ نماز اور ذکر و اذکار میں گزارتے جبکہ دن کے اوقات میں امورِ سلطنت میں مصروف رہتے۔ نرم مزاج ہونے کے باوجود انتظامی معاملات کو حسن تدبیر کے ساتھ انجام دیتے۔ ملکی دفاع کی اہمیت سے ہر وقت باخبر رہتے۔ بحری فتوحات کا آغاز آپ کے عہد خلافت میں ہوا۔ صوبوں کے گورنروں کی کارکردگی پر نگاہ رکھتے۔ جس کے بارے میں شکایات ملتیں، تحقیق و تفتیش کے بعد اگر مناسب سمجھتے تو فوراً معزول کر دیتے۔ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی کی رورعایت نہ کرتے۔

❁❁❁

قائداعظم اور قرآن مجید

حافظ محمد مشتاق ربانی

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کی مقبولیت کا راز صرف اس میں ہے کہ ان کی تمام صلاحیتیں ایک ایسا ملک قائم کرنے میں خرچ ہوئیں جہاں پر قرآن وسنت کی مکمل بالادستی ہو۔ وہ اپنی تقاریر، بیانات اور خطبات میں قرآن مجید کا بار بار ذکر کرتے۔ ان کے مطالعہ میں اکثر انگریزی ترجمے والا قرآن رہتا۔ جب لوگ ان سے پاکستان کے دستور کے حوالہ سے استفسار کرتے تو وہ ہمیشہ قرآن مجید کو بطور آئین پیش کرتے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ قائداعظم معروف معنی میں تو کوئی دینی شخصیت نہ تھے، لہٰذا ان کا قرآن مجید کے ساتھ کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اس ضمن میں واضح رہے کہ قرآنی بصیرت کسی خاص طبقہ کی میراث نہیں بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ وہ، جسے چاہے عطا کردے۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر اتنا فضل کرے کہ پہلی ہی مرتبہ قرآن پڑھنے سے اس کے خیالات وتصورات میں ایک چمک پیدا ہوجائے اور وہ اپنی زندگی کے اہم فیصلے قرآن مجید کی ہدایات کے مطابق کرنے لگے۔ قائداعظم کوئی مفسر قرآن نہ تھے، البتہ ان کے فیصلوں اور اقدامات کے بارے میں چودھری سردار محمد خان عزیز ''حیاتِ قائداعظم'' میں لکھتے ہیں:

> ''قائداعظم محمد علی جناح کا ہر قول قرآنی نظریہ کی سند نہیں ہوسکتا اور انہوں نے اس امر کا دعویٰ بھی کبھی نہیں کیا کہ وہ اسلامی تعلیمات اور رموزِ قرآن کے ماہر ہیں، لیکن یہ اللہ کی دین ہے کہ اس ''مسٹر'' نے خداداد بصیرت اور فطرت صالحہ کی مدد سے احوال وظروف پر مکمل غور وخوض کے بعد جو قدم اٹھایا ہے وہ قرآن کی روشنی میں اٹھایا ہے۔''(۱)

تمام مسلمان والدین کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے بچوں کو سب سے پہلے قرآن حکیم کی تعلیم دیں۔ منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں:

> ''یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اس دور کے دستور کے مطابق سب سے پہلے قائداعظم کو بچپن

میں قرآن مجید پڑھایا گیا۔''(۲)

اسی طرح ڈاکٹر صفدر محمود قائداعظم کی ابتدائی تعلیم کے پس منظر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قائداعظم کے والد گرامی تجارت کے ساتھ ساتھ مشن ہائی سکول کراچی میں پڑھاتے بھی تھے' لیکن انہوں نے اپنے بیٹے کو شروع میں سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخل کروایا' کیونکہ مشن سکول میں عیسائیت کا پرچار بھی کیا جاتا تھا جبکہ سندھ مدرسۃ الاسلام میں بچوں کی دینی تربیت پر توجہ دی جاتی تھی۔ مدرسۃ الاسلام کے ریکارڈ کے مطابق' محمد علی جناح کے نام کے سامنے والے خانے میں حسب رواج خوجہ لکھنے کی بجائے محمڈن لکھایا گیا۔ قائداعظم سندھ مدرسۃ الاسلام چھوڑ کر بمبئی گئے تو وہاں بھی انجمن اسلامیہ کے سکول میں داخل ہوئے۔ بعد ازاں لندن جانے سے قبل وہ مختصر سے عرصہ کے لیے کراچی کے مشن سکول کے بھی طالب علم رہے۔ سید رضوان احمد کی تحقیق کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح کے والد جناح بھائی پونجا مذہبی رجحانات رکھتے تھے اور شام کے وقت محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے' جبکہ قائداعظم کی والدہ بچوں کو تاریخی کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قائداعظم کی تربیت قدرے مذہبی ماحول میں ہوئی اور اسی مذہبی تربیت کا اثر تھا کہ قائداعظم نے لندن میں لنکنز اِن کا انتخاب کیا۔''(۳)

قائداعظم کے لیے مطالعہ قرآن ایک بہت بڑا سہارا ثابت ہوا۔ اس سے ان کے یقین میں اور اضافہ ہوا۔ وہ عام طور پر ان آیات و سور کا زیادہ مطالعہ کرتے جو مسلمانوں کی ملی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں۔ سعید راشد کہتے ہیں:

''تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے قائداعظم کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑ رہی تھی لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کامل یقین رکھتے تھے۔ قرآن حکیم کے مطالعے نے ان کے اس یقین کو اور مستحکم کر دیا تھا۔ قائداعظم قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اپنے مطالعے میں رکھتے تھے۔ سورۃ الفیل ﴿اَلَمْ تَرَ کَیْفَ.....﴾ کو بہت زیادہ پڑھتے تھے' کیونکہ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جس طرح کفار کے بڑے لشکر کو ابابیلوں کے ذریعے سے شکست دی تھی' اسی طرح ہم لوگوں کے ذریعے سے ان شاءاللہ کافر قوتوں کو شکست دیں گے۔''(۴)

ایک مرتبہ قائداعظم نے اپنے دورۂ لاہور کے موقع پر مولانا غلام مرشد مرحوم (خطیب شاہی مسجد لاہور) کو ملاقات کے لیے مدعو کیا۔ مولانا غلام مرشد مرحوم نے اس ملاقات کے حوالے سے ''قائداعظم اور قرآن مجید'' کے زیر عنوان مضمون لکھا جس سے قائداعظم کے

مطالعہ قرآن کے بارے میں کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا کہتے ہیں:

''جب میں نے قائداعظم سے رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ جس شخص کے نائب بن کر تم وہاں جا رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بنیادی نکتے ذہن میں رکھ کر وہاں جاؤ۔ ان کے سامنے میز پر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا۔ اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتاب عظیم میں دنیا اور آخرت کی زندگیوں کے متعلق مکمل ضابطے اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی، معاشی اور اخلاقی انمٹ قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کے ابدی ضوابط موجود ہیں، لیکن یہ قواعد اور ضوابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے قواعد وضوابط مرتب اور نافذ ہوتے رہیں گے۔ مثال کے طور پر انہوں نے کہا، قرآن کریم میں یہ کہا گیا ہے کہ ''جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے''۔ اس پر میں نے جرأت کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ کے ذہن میں غالباً قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ: ٤٠)۔ اس پر انہوں نے فوراً قرآن مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہی آیت میرے ذہن میں تھی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو یہ ایک اصولی اور ابدی حکم ہے۔ یہ دیکھنا اسلامی مملکت کا کام ہوگا کہ معاشرے کے عام حالات کی روشنی میں کس جرم کی سزا کیا ہونی چاہیے جو قرآن کے اس اصول کے مطابق ہو۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے یہ ضمنی قوانین مرتب فرمائے۔

میں نے پھر سلسلۂ کلام منقطع کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے ایسا کچھ خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا کہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ (آل عمران: ١٥٩)۔ انہوں نے پھر قرآن کریم کو کھولا اور اس آیت کو نکال کر کہا کہ بات بالکل واضح ہے، اگر قرآن مجید کے اصولی احکام کے جزئی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشاورت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد اُمت کو بھی اسی طرح تدوین قوانین کرنی ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لیے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ﴾ (الشوریٰ: ٣٨)۔ انہوں نے پھر قرآن کریم سے یہ آیت نکالی اور کہا کہ ''خدا کی یہ ہدایت ہماری رہنمائی کے لیے کس قدر واضح ہے۔ اسلامی مملکت، جس

کے لیے ہم کوشش کر رہے ہیں..... کے آئین کی بنیاد یہی ہوگی۔

میں رخصت ہو کر آیا تو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص عام طور پر صرف ایک بیرسٹر سمجھا جاتا ہے' اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری نگاہ ہے اور اس شخص کے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چھینٹ تک دکھائی نہیں دیتی کتنا بڑا کذب وافترا ہے۔''(۵)

ایک مرتبہ ڈاکٹر سید بدر الدین احمد (تحریک پاکستان کے کارکن) کو الطاف حسین (ایڈیٹر ڈان) نے سوشلزم کی معنویت پر ایک طویل لیکچر دیا' لیکن ڈاکٹر سید بدرالدین مطمئن نہ ہوئے۔ الطاف حسین نے انہیں قائداعظم کے پاس بھیج دیا۔ قائداعظم نے سوشلزم کی معنویت سمجھانے کی بجائے انہیں قرآن حکیم کی روشنی میں دین اسلام کی حقانیت اور ابدیت کے بارے میں بتلاتے ہوئے فرمایا:

''مسٹر بدر! الطاف حسین نے آپ کو کافی وقت دیا اور مسئلہ کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن آپ کو مطمئن نہ پا کر مجھے فون کیا اور میرے پاس بھیج دیا۔ سب سے پہلے تو ان قرآنی آیات کا انگریزی ترجمہ غور سے پڑھ لو (اس موقعہ پر انہوں نے ایک ڈائری میں درج آیات قرآنی اور ان کا انگریزی ترجمہ دکھایا)۔ پھر انہیں نوٹ کرو۔ تنہائیوں میں بار بار انہیں اور ان کے ترجمہ کو دہرایا کرو۔ ان کی اور صرف ان کی تشہیر اور کنوینسنگ کرو ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾''۔(۶)

قائداعظم نے ایک عقیدت مند محمد شریف طوسی کو خصوصی طور پر چھ ماہ کے لیے اپنے پاس بلایا اور انگریزی کی کئی کتابیں ان سے تحریر کروائیں۔ انہوں نے اپنی یادداشت میں قائداعظم کے مطالعہ قرآن کے بارے میں لکھا ہے:

''میں نے انہیں روزانہ علامہ یوسف علی کا انگریزی میں قرآن حکیم کا ترجمہ پڑھتے پایا ہے۔''(۷)

اسی طرح محمد شریف طوسی قائداعظم کی لائبریری میں موجود اسلامی کتب اور قرآن حکیم کے تراجم کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ان کی لائبریری میں اسلامی تاریخ' رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ' دیگر اسلامی رہنماؤں اور قرآن حکیم کے تراجم پر مشتمل کتابیں تھیں۔ انہوں نے شبلی نعمانی کی کتاب

''الفاروق'' (حضرت عمرؓ کی سوانح عمری) کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ کر رکھا تھا۔ یہ ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ وہ اس کتاب کے حصہ دوم کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے جس میں حضرت عمرؓ کی طرزِ حکومت اور اصلاحات کا ذکر تھا لیکن اس کا انگریزی ترجمہ دستیاب نہ تھا۔ اپنے فرصت کے اوقات میں قائداعظم قرآن حکیم کا انگریزی ترجمہ جو کہ علامہ یوسف علی نے لکھا اور سید امیر علی کی کتب: ''Spirit of Islam'' اور ''History of Saracens'' کا مطالعہ فرماتے''۔ (۸)

قائداعظم کے کمرۂ خاص کے بارے میں سعادت حسن منٹو اپنے مضمون ''میرا صاحب'' میں محمد حنیف آزاد (قائداعظم کے ڈرائیور) کی زبانی بیان کرتے ہیں:

''.....ان کے خاص کمرے میں بہت کم لوگوں کو داخلے کی اجازت تھی۔.....صوفے کے بالمقابل دو شوکیس تھے۔ ان میں وہ قرآن مجید رکھے رہتے تھے جو عقیدت مندوں نے ان کو تحفے کے طور پر دیے تھے۔ اس کمرے میں ان کے ذاتی کاغذات بھی محفوظ تھے۔''(۹)

قائداعظم انسان کے خلیفہ ہونے کا مفہوم یہ لیتے تھے کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق زندگی بسر کرے اور بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو عید کے موقع پر آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے نشر ہونے والی اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:

''قرآن کریم میں انسان کو درحقیقت خلیفۃ اللہ کا نام دیا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف کی کوئی اہمیت ہے تو یہ ہم پر اتباع قرآن کا فریضہ عائد کرتی ہے' کہ ہم دوسروں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھیں جو اللہ اپنی مخلوق بنی نوع انسان کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اس لفظ کے وسیع تر مفہوم میں محبت اور درگزر کرنے کا فریضہ ہے اور یہ —— باور کیجیے —— کوئی منفی فریضہ نہیں بلکہ ایک مثبت بات ہے۔'' (۱۰)

وہ اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز احکام قرآن کی تعمیل سمجھتے تھے۔ اگست ۱۹۴۱ء کو حیدرآباد دکن میں طلبہ کے ایک سوال کے جواب میں قائداعظم نے فرمایا:

''اسلامی حکومت کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کے لیے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول پر احکام کی پابندی

ہے‘اور حکمرانی کے لیے بہر حال آپ کو علاقہ اور سلطنت کی ضرورت ہے۔‘‘ (۱۱)

اسی موقع پر بعض نوجوانوں نے قائداعظم سے مذہب اور مذہبی حکومت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے اپنے مطالعہ قرآن کی بنیاد پر مذہب کا وسیع تر تصور پیش کیا۔ فرمانے لگے:

’’جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے‘ لیکن میں جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود تصور نہیں ہے۔ میں نے قرآن مجید اور اسلامی قوانین کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی‘ سیاسی ہو یا معاشی‘ غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لیے ہے بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے......‘‘ (۱۲)

قرآن حکیم کے پیش کردہ دین کے وسیع تر تصور کے بارے میں ۱۹۴۵ء کو عید کے موقع پر آپ نے پیغام میں کہا:

’’ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام مذہبی اور اخلاقی فرائض تک محدود نہیں جیسا کہ گبن نے کہا تھا: ’اوقیانوس سے گنگا تک قرآن کو دینیات ہی نہیں بلکہ شہری (سول) اور تعزیری قوانین کی بنیاد بھی سمجھا جاتا ہے اور وہ قوانین جن سے بنی نوع انسان کے اعمال اور حقوق کی حد بندی ہوتی ہے وہ بھی خدا کے غیر متبدل احکام سے متعین ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطۂ حیات ہے ۔ مذہبی‘ سماجی‘ شہری‘ کاروباری‘ فوجی‘ عدالتی‘ تعزیری اور قانونی ضابطۂ حیات جس میں مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک‘ روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک‘ تمام افراد سے لے کر ایک فرد کے حقوق تک‘ اخلاق سے لے کر جرم تک‘ اس دنیا میں جزا اور سزا سے لے کر اگلے جہان تک کی سزا و جزا تک کی حد بندی ہے۔‘‘ (۱۳)

قائداعظم کے نزدیک اتحاد و وحدت کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ آپ اسے ایک ایسے لنگر سے تعبیر کرتے جس سے منسلک ہو کر اُمت مسلمہ انتشار اور فرقہ واریت سے محفوظ و مامون رہ سکتی

ہے۔ دسمبر ۱۹۴۳ء میں آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس (کراچی) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس کے ساتھ منسلک ہونے سے تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں؟ وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے اُمت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟''..... پھر خود ہی جواب میں فرمایا: ''وہ بندھن' وہ رشتہ' وہ چٹان' وہ لنگر اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے' ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی۔''(۱۴)

اسی طرح پشاور میں ۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک عظیم اجتماع میں فرمایا:

''مسلمان کا خدا ایک ہے' مسلمان کی کتاب قرآن ایک ہے' مسلمان کا پیغمبر ایک ہے (نعرۂ ہائے اللہ اکبر) مسلم لیگ نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمان بھی ایک ہو جائیں۔''(۱۵)

اسی بات کو اقبال ''جواب شکوہ'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی' نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ' دین بھی' ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک (۱۶)

۱۹۴۲ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس کراچی میں منعقد ہوا۔ اس میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے جن ممبران نے تجاویز بھیجی تھیں' ان کی میٹنگ نواب محمد اسماعیل خان کی صدارت میں ہوئی' جس میں مختلف قراردادیں تیار کی گئیں۔ ان میں سے ایک قرارداد آئین کے حوالے سے مرتب کی گئی' جس کے الفاظ یہ تھے:

''پاکستان میں جو آئین ہوگا وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگا اور رائج الوقت قوانین میں جلد شریعت کے مطابق تبدیلی کی جائے گی''..... تمام لوگوں نے اس تجویز کی حمایت کی۔ آخر میں قائداعظم نے اپنی تقریر میں فرمایا: ''جہاں تک اس تجویز کا تعلق ہے' وہ ہر مسلمان کے دل کی پکار ہے اور پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہوگا.....''(۱۷)

۲۶ نومبر ۱۹۴۵ء کو قائداعظم پیر مانکی شریفؒ کے پاس گئے۔ آپ کی آمد پر سپاس نامہ پیش ہوا۔ اس موقع پر یہ سوال اٹھایا گیا کہ پاکستان بن گیا تو اس کا آئین کیا ہوگا۔ قائداعظم نے علماء ومشائخ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:

''آپ نے سپاسنامے میں مجھ سے پوچھا ہے کہ پاکستان میں کون سا قانون ہوگا؟ مجھے آپ کے اس سوال پر بہت سخت افسوس ہے کہ آپ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کون سا قانون ہوگا۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ مسلمان کا ایک خدا' ایک رسولؐ اور ایک قرآن ہے۔ یہی قرآن مسلمانوں کا قانون ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے ہمیں ملا ہے۔ قرآن ہی ہمارا قانون ہے اور بس۔''(۱۸)

جولائی ۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے' قائداعظم کی رہائش گاہ (۱۰۔اورنگزیب روڈ دہلی) میں قیامِ پاکستان کے ممکنہ مسائل کے حوالے سے نشست ہو رہی تھی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ قائداعظم سے پوچھا کہ پاکستان کا دستور کیسے بنایا جائے گا؟ قائداعظم نے فرمایا:

''پاکستان کا آئین قرآن مجید ہوگا۔ میں نے قرآن مجید کو ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے۔ میرا پختہ یقین ہے کہ قرآنی آئین سے بڑھ کر کوئی آئین نہیں ہو سکتا۔ میں نے مسلمانوں کا سپاہی بن کر پاکستان کی جنگ جیتی ہے۔ میں قرآنی آئین کا ماہر نہیں۔ آپ اور آپ جیسے دوسرے علماء کو میرا مشورہ ہے کہ لوگ مل بیٹھ کر نئے قائم ہونے والے پاکستان کے لیے قرآنی آئین تیار کریں.....''(۱۹)

قائداعظم کا قرآن حکیم سے جو تعلق قائم ہوا اس میں علامہ اقبال کا کردار سب سے زیادہ محسوس کیا جا سکتا ہے' کیونکہ ان دونوں کے بہت گہرے باہمی تعلقات تھے' اور اقبال کا قرآن مجید سے تعلق اظہر من الشمس تھا۔ اسی طرح قرآن حکیم کی طرف راغب کرنے میں مولانا اشرف علی تھانوی کا کردار بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو انہیں تبلیغی خطوط لکھتے تھے۔ منشی عبدالرحمٰن خاں لکھتے ہیں:

''حضرت تھانویؒ نے خطوط اور وفود کے ذریعہ جو تبلیغی سلسلہ قائم کر رکھا تھا' اس سے قائداعظمؒ کے دل میں تعلیماتِ قرآن پر عبور حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ انہوں نے قرآن حکیم اور دیگر اسلامی لٹریچر کا بغور مطالعہ کیا۔''(۲۰)

منشی عبدالرحمٰن خاں مزید لکھتے ہیں:

''مسٹر جناح کو قرآن اور اقبال کا مردِ مؤمن بنانے میں ان تین حضرات نے کام کیا: (۱) حکیم الامت علامہ اقبالؒ (۲) مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳) حضرت غازی صاحبؒ (یہ ایک تاجر اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن تھے)۔''(۲۱)

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ قائداعظم قرآن حکیم کا ایک گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ان کی کوشش یہی رہی کہ پاکستان میں قرآن وسنت کی مکمل بالادستی ہو جیسا کہ ان کی تقاریر و بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔وہ ملت اسلامیہ میں اتحاد و وحدت کے خواہاں تھے اور اس کے لیے قرآن حکیم کو ایک مضبوط لنگر سمجھتے تھے جس سے ملت اسلامیہ کی کشتی ڈوبنے اور طوفانوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

حواشی

(۱) چوہدری سردار محمد خاں عزیز' حیاتِ قائداعظم' ص ۲۵۵۔
(۲) منشی' عبدالرحمٰن خاں' قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ' ص ۱۰۸۔
(۳) ڈاکٹر صفدر محمود' ندائے ملت (میگزین)' اشاعت: ۲۵ تا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۸ء' مضمون: کیا قائد اعظم سیکولر تھے؟ ص ۲۳۔
(۴) محمد افتخار کھوکھر' ماہنامہ عفت' اشاعت: دسمبر ۲۰۰۸ء۔مضمون: قائداعظم کا اسلامی تشخص' ص ۹۔
(۵) شریف فاروق' قائداعظم جناح: برصغیر کا مردِ حریت' ص ۳۹۸' ۳۹۹۔
(۶) رحیم بخش شاہین' نقوش قائداعظم' ص ۳۱۴' ۳۱۵۔
(۷) ملک حبیب اللہ' قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو' ص ۳۴۔ (۸) ایضاً' ص ۳۳۔
(۹) رحیم بخش شاہین' نقوش قائداعظم' ص ۹۲۔
(۱۰) اقبال احمد صدیقی' قائداعظم: تقاریر و بیانات' ۳۲۳/۲۔
(۱۱) چوہدری سردار محمد خاں عزیز' حیاتِ قائداعظم' ص ۲۵۵۔ (۱۲) ایضاً' ص ۲۵۵۔
(۱۳) سید قاسم محمود' قائداعظم کا پیغام' ص ۱۰۰' ۱۰۱۔
(۱۴) راجا رشید محمود' قائداعظم' افکار و کردار' ص ۲۴۔
(۱۵) محمد حنیف شاہد' اسلام اور قائداعظم' ص ۱۰۶۔
(۱۶) علامہ محمد اقبال' بانگ درا' نظم: جوابِ شکوہ' ص ۲۰۲۔
(۱۷) رحیم بخش شاہین' نقوش قائداعظم' ص ۳۰۹' ۳۱۰۔
(۱۸) شریف فاروق' قائداعظم جناح: برصغیر کا مردِ حریت' ص ۳۹۷۔
(۱۹) افتخار محمد کھوکھر' ماہنامہ عفت' دسمبر ۲۰۰۸ء' مضمون: قائداعظم کا اسلامی تشخص' ص ۱۰۔
(۲۰) منشی عبدالرحمٰن خاں' قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ' ص ۹۴۔ (۲۱) ایضاً' ص ۱۰۰۔

''گھریلو اُسرہ'' کی اہمیت وافادیت

انجینئر نعمان اختر ☆

انسان کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے کہ اس دنیا میں اکثر و بیشتر اُس کی زندگی کا حاصل ایک گھر ہوتا ہے اور وہ اس گھر کی آرائش وزیبائش میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لگا دیتا ہے' لیکن اُس کی توجہ گھر والوں پر نہیں ہوتی کہ جن کے بارے میں وہ آخرت میں مسئول ہے۔ انقلابی تحریک کے کارکنوں میں بھی یہ عدم توازن پایا جاتا ہے کہ دوسروں کو دعوت دینے میں بعض اوقات اپنی ذات اور اپنے گھر والوں کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ گھر والوں کی تربیت ہمارا نہ صرف دینی بلکہ اخلاقی فریضہ بھی ہے اور ہمیں اس پر کما حقہٗ توجہ دینی چاہیے۔

ایک خاندان تین رشتوں پر مشتمل ہوتا ہے' یعنی میاں بیوی' والدین اولاد اور بہن بھائی۔ خاندان کے ہر فرد کی' خواہ وہ کسی حیثیت میں ہو' یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود کو بھی اور تمام گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرے۔ البتہ یہ ذمہ داری مردوں پر زیادہ اور بالخصوص خاندان کے سربراہ پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔

گھر والوں کی تربیت اور اُس کے لیے ''گھریلو اُسرہ'' کی اہمیت کے حوالے سے قرآن وسنت سے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اُس کے لیے دس نکات پیش خدمت ہیں:

(۱) گھر والوں کی ایسی تربیت کرنا کہ جس کے ذریعہ سے وہ جہنم کی آگ سے بچ سکیں' یہ اللہ کا حکم ہے۔ سورۃ التحریم (آیت ۶) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ﴾

''مؤمنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

☆ قرآن اکیڈمی کراچی

اس آیت کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ گھر والوں کو جہنم سے کیسے بچائیں؟ تو آپ ؐ نے فرمایا:

((تَاْمُرُوْنَهُمْ بِمَا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَتَنْهَوْنَهُمْ عَمَّا يَكْرَهُ اللّٰهُ)) (۱)

''جو باتیں اللہ کو محبوب ہیں اُن کی گھر والوں کو تلقین کرو اور جو باتیں اللہ کو ناپسند ہیں ان سے گھر والوں کو روکو۔''

(۲) روزِ قیامت ہم سے گھر والوں کے حوالے سے سوال ہونا ہے کہ ان کی تربیت کیسے کی؟ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (۲)

''آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔''

(۳) اپنے آپ کو روزِ قیامت خسارے سے بچانے کے لیے ہمیں گھر والوں کی تربیت کرنی ہوگی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الشوریٰ:٤٥)

''بے شک خسارہ اٹھانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔''

(۴) اپنے آپ کو قیامت کے ہولناک انجام سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو گھر والوں کی تربیت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾﴾ (المعارج)

''(اس روز) مجرم چاہے گا کہ فدیہ میں دے دے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹے اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی اور اس پورے خاندان کو جس نے اسے پناہ دے رکھی تھی اور جتنے آدمی زمین میں ہیں (غرض) سب (کچھ دے دے) اور اپنے آپ کو عذاب سے چھڑا لے''۔

---

(۱) أخرج ابن مردويه۔

(۲) صحيح البخاری، كتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن۔ وصحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل......

(۵) اگر ہم چاہتے ہیں کہ جنت میں اولاد کا ساتھ نصیب ہو تو ان کی اسی نہج پر تربیت کرنی ہوگی۔ازروئے الفاظ قرآنی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ (الطور:۲۱)

''اور جولوگ ایمان لائے اوران کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچادیں گے اوران کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔''

(۶) اولاد کو زندگی میں بہترین تحفہ دینا چاہتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے فرمانِ مبارک کے مطابق والد کی طرف سے اولاد کے لیے بہترین تحفہ اچھی تربیت ہے:

((مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ))(۳)

''کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔''

(۷) گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرنے والے کو نبی ﷺ نے بہترین انسان قرار دیا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ، وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ))(٤)

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم میں سب سے بہتر ہوں۔''

(۸) اللہ کے رسول ﷺ نے کمالِ ایمان کی شرط گھر والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو قرار دیا۔فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ))(٥)

''مسلمانوں میں اُس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق (سب کے ساتھ) بہت اچھے ہوں (خاص طور پر) گھر والوں کے ساتھ جس کا رویہ لطف ومحبت کا ہو۔''

---

(۳) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی ادب الولد۔ ومسند احمد:۱٤۹۷۷۔

(٤) سنن الترمذی، ابواب المناقب والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی فضل ازواج النبی ﷺ۔

(٥) سنن الترمذی، ابواب الایمان والصلة عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی استکمال الایمان وزیادته ونقصانه۔ و مسند احمد:۲٤۱٥٦۔

(۹) اگر چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ہمارے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے تو اولاد کی تربیت کرنی ہوگی۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ ' اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ))(٦)

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے' سوائے تین اعمال کے (جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے) ایک صدقہ جاریہ' دوسرا نافع علم اور تیسرا نیک اولاد جو اُس کے لیے دعا کرتی رہے۔''

(۱۰) اگر قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کی رفاقت مطلوب ہے تو بیٹیوں کی اچھی تربیت ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَنَا وَهُوَ)) وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ(٧)

''جو شخص دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور اُن کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے (حضرت انسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں' کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا)''۔

گھر والوں کی تربیت کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے فوائد

(۱) گھر والوں کی تربیت سے خود کو خوشگوار اور سازگار ماحول ملتا ہے۔

(۲) ذہنی و قلبی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ گھبرائے ہوئے گھر پلٹے اور حضرت خدیجہ ؓ کو واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے'' تو اس پر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو یہ الفاظ ادا کر کے قلبی سکون پہنچایا کہ ''قطعاً نہیں' بخدا اللہ آپ ﷺ کو ضائع نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں' درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں' مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور مظلوموں کے مصائب پر ان کی اعانت کرتے ہیں''۔

(۳) فرائض دینی کی ادائیگی میں آسانی بھی ہو جاتی ہے اور مدد بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ نبی

(٦) صحیح مسلم' کتاب الوصیة' باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته۔

(٧) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب فضل الاحسان الی البنات۔

کریم ﷺ کو اپنی شریک کار حضرت خدیجہؓ سے دعوتِ دین کے عظیم کام میں مدد ملی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں، جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے میری تصدیق کی، جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا انہوں نے مجھے اپنے مال میں شریک کیا''۔ (مسند احمد)

(۴) ہمارے سیرت و کردار کے حوالے سے گھر والوں کی گواہی بہترین گواہی ہے۔ جیسے حضرت عائشہ ؓ کی گواہی نبی مکرم ﷺ کے سیرت و کردار کے بارے میں ہے کہ:

((كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ)) (۸)

''آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہی تو ہیں۔''

اگر انسان دوسروں کے سامنے تو بڑا دین دار بن رہا ہو لیکن گھر میں گھر والوں کے ساتھ کوئی دینی رنگ کا سلوک نہ ہو تو ممکن ہے کہ گھر والے ہی کسی موقع پر انسان کے کردار کی دورنگی ظاہر کر دیں اور اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔

(۵) پورا گھرانہ اگر ایک ہی نظریہ کا حامل ہو تو خاندان، محلّہ والوں اور دوسرے لوگوں کے لیے یہ گھر ایک قابل تقلید نمونہ بن جائے گا۔

(۶) گھر والوں کی تربیت سے معاشرے کو بہترین رجالِ کار میسر آئیں گے۔

(۷) دینی تعلیمات، پیغامِ توحید اور انقلابی فکر کو زندہ رکھنے والے مل جائیں گے۔ یہ خواہش تو انبیا کرام علیہم السلام کی بھی ہوتی تھی۔ مثلاً جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے حوالے سے حکم دیا کہ اس کو سرکشی سے روکیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝۲۹ هٰرُوْنَ اَخِي ۝۳۰ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝۳۱ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝۳۲﴾ (طٰہٰ)

''اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما، (یعنی) میرے بھائی ہارون کو، اس سے میری قوت کو مضبوط فرما، اور اسے میرے کام میں شریک فرما دے۔''

اسی طرح جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منصبِ امامت دیا جانے لگا تو آپؑ نے فوراً ایک خواہش کا اظہار کیا کہ میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا):

---

(۸) مسند احمد: ۲۴۰۸۰۔

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ط﴾ (البقرۃ:۱۲٤)

''اور جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورا اُترا۔ اللہ نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ اُس نے کہا کہ (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی!''

(۸) ہمارے لیے نیک اولاد دنیا میں بھی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہوگی اور روزِ قیامت متقیوں کا امام بننے کی سعادت بھی حاصل ہوجائے گی۔ قرآن حکیم میں اللہ کے محبوب بندوں کی دعا نقل ہوئی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان)

''اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔''

گھر والوں کی تربیت کے حوالے سے کامل اُسوہ: نبی کریم ﷺ

گھر والوں کی تربیت کے حوالے سے ہمارے لیے کامل اُسوہ نبی کریم ﷺ کی شخصیت ہے اور آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ سے تربیت کے بہت سے پہلو عیاں ہیں:

(۱) گھر والوں کے اندر اپنے اخلاص کا یقین پیدا کرنا' اس کا مظہر آپ ﷺ کا وہ پرحکمت خطبہ ہے جو آپ ﷺ نے نبوت کے ابتدائی دَور میں اپنے خاندان بنو ہاشم کو جمع کر کے دیا اور آغاز ہی میں اپنے اخلاص کو واضح فرمایا:

((اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ، وَاللّٰہِ لَوْ کَذَبْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَّا کَذَبْتُکُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَا غَرَرْتُکُمْ.....))(۹)

''بے شک قافلے کا رہبر قافلے والوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم! (بالفرض) میں تمام انسانوں سے جھوٹ بولتا تب بھی تم سے کبھی جھوٹ نہ بولتا' اور اگر (بالفرض) تمام انسانوں کو فریب دیتا تب بھی تمہیں کبھی فریب نہ دیتا.....''

(۹) الکامل فی التاریخ

(۲) غم کی کیفیت میں بھی اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت ہمارے لیے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ ﷺ اپنے صاحب زادے حضرت ابراہیم کے نزع کے وقت تشریف لاتے ہیں اور جگر گوشے کو اپنی گود میں لیتے ہیں جو زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے اور ارشاد فرماتے ہیں: ''اے ابراہیم ہم تجھے اللہ کے فیصلے سے بچا نہیں سکتے''۔ اس ایک جملہ میں گھر والوں کی تربیت کے کتنے پہلو پوشیدہ ہیں۔ پھر آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل غمگین ہے لیکن ہم زبان سے وہی کچھ کہیں گے جس سے اللہ راضی ہو جائے''۔ (بخاری)

(۳) بیوی کی تربیت کے حوالے سے آپ ﷺ نے شوہر کو اس انداز سے ترغیب دی:

((مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ وَاَيْقَظَ امْرَأَتَهُ فَصَلَّيَا رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا مِنَ الذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ))(۱۰)

''جب کوئی مرد رات میں اپنی بیوی کو جگاتا ہے اور دونوں مل کر دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں تو شوہر کا نام کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والوں میں اور بیوی کا نام ذکر کرنے والیوں میں لکھ لیا جاتا ہے''۔

(۴) بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی آپ ﷺ کا اُسوہ کامل ہے۔ جہاں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ ''دس سال کی عمر میں اگر بچہ نماز نہیں پڑھتا تو سرزنش کرو'' وہاں بچوں سے محبت و الفت بھی بڑھ کر فرماتے تھے۔ آپ ﷺ بچوں کو چومتے تھے، گلے لگاتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ایک دیہاتی نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: ''تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو، ہم تو نہیں چومتے''۔ تو آپؐ نے فرمایا:

((أَوَ أَمْلِكُ لَكَ اَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ))(۱۱)

''اللہ اگر تمہارے دل سے مہربانی و شفقت چھین لے تو میں کیا کروں؟''

اپنے اہل خانہ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری میں معاونت کے لیے تنظیم اسلامی کے ملتزم شادی شدہ رفقاء کو نظم بالا کی جانب سے ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ پر مشتمل ایک گھریلو اُسرہ کا قیام عمل میں لائیں۔ یہ اُسرہ درج ذیل نظام کے تحت کام کرے گا:

(۱) ملتزم رفیق بحیثیت سربراہ کنبہ گھریلو اُسرہ کا نقیب ہوگا اور خاتونِ خانہ اس کی نیابت

(۱۰) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الحث علی قیام اللیل۔

(۱۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ۔

سرانجام دے گی، تاکہ رفیق کی غیر حاضری کی صورت میں اُسرہ کا پروگرام جاری رہے۔

(۲) مجلس اُسرہ ہفتہ وار منعقد کی جائے جس کا دورانیہ کم از کم ایک گھنٹہ ہو۔

(۳) اُسرہ کا درج ذیل نصاب تجویز کیا جا رہا ہے، جو کہ گھرانے کے مختلف افراد کو تفویض/تقسیم کیا جائے اور ترغیب وتشویق سے کام لیا جائے:

(i) تلاوت اور ترجمہ قرآن (کسی بچے کے ذمہ لگایا جا سکتا ہے)۔

(ii) آدابِ زندگی اور بنیادی اخلاقیات کا مطالعہ کیا جائے۔

(iii) سیرت النبی ﷺ ترجیحاً ''الرحیق المختوم'' کا سلسلہ وار مطالعہ کیا جائے۔

(iv) سیرت صحابہ/صحابیات کا مطالعہ کیا جائے، نیز مشاہیر اسلام سے متعارف کروایا جائے۔

نوٹ: بچوں کی عمر اور افتادِ طبع کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُسرہ کے پروگرام میں دلچسپی بڑھانے کی خاطر بچوں سے حمد ونعت پر مشتمل معیاری کلام یا کلامِ اقبال کے منتخبات سنے جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں خود بھی جہنم کی آگ سے بچنے کی اور اپنے گھر والوں کو بھی اُس سے بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مرے مولا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے!

❁❁❁

مجاہدین اور فاتحین کی سرزمین افغانستان میں

سید ابوالحسن علی ندویؒ

افغانستان عالم اسلام کا ایک اہم ملک ہے اور موجودہ عالمی منظر نامہ میں اسے انتہائی اہمیت حاصل ہو چکی ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جون ۱۹۷۳ء میں رابطہ عالم اسلامی کے ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے افغانستان کا چند روزہ دورہ کیا تھا۔ اس دورہ کے مشاہدات و تأثرات ان کی کتاب ''دریائے کابل سے دریائے یرموک تک'' سے نذرِ قارئین کیے جا رہے ہیں۔ بعد ازاں افغانستان جن حالات و واقعات سے دوچار ہوا اور ان کے پاکستان اور اہل پاکستان پر جس طرح اثرات مترتب ہوئے ان کا تذکرہ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے خطابات میں بکثرت ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ احادیث نبویؐ کی رو سے قیامت سے قبل عالمی غلبۂ اسلام کے ضمن میں سرزمین افغانستان کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ (ادارہ میثاق)

ہندوستان اور اسلام کی تاریخ میں افغانستان کا کردار

افغانستان اسلامی تاریخ کے ہر دور میں بہادروں اور شہسواروں کا مرکز، شیروں کا مخزن، فاتحین اور سورماؤں کا مولد و منشا اور اسلام کا مضبوط قلعہ رہا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امیر البیان امیر شکیب ارسلان اس ملک کا تذکرہ کرنے بیٹھے تو اسلامی جوش سے مغلوب ہو گئے۔ اس مجاہد ملک کی تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے آ گئی اور وہ اشہبِ قلم کو قابو میں نہ رکھ سکے اور لکھ گئے:

''میری جان کی قسم! اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، پھر بھی کوہِ ہمالیہ اور ہندوکش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا، اور اس کا عزم جوان رہے گا''۔ (۱)

(۱) حاضر العالم الاسلامی، ج ۲، ص ۱۹۷۔

افغانستان، ہندوستان کا پڑوسی ملک ہے اور ایسا پڑوسی کہ پانچویں صدی (۲) ہجری کی ابتدا ہی سے دونوں کی تاریخ مشترک ہے۔ دونوں کی تہذیب و ثقافت، زبان و ادب اور سیاست و حکومت ایک دوسرے کے اثرات قبول کرتی رہی ہے اور انہی عوامل کی کارفرمائی اور باہم دگر اثر پذیری و اثر انگیزی سے ایسی تہذیب اور ایسا نظام وجود میں آیا جسے پورے طور پر نہ افغانی کہا جاسکتا ہے نہ ہندوستانی اور نہ خالص اسلامی۔ آخری دور میں اسے ''ہند افغانی اسلامی تہذیب'' (Indo-Afghan Muslim Culture) کا نام دیا گیا۔

پانچویں صدی ہی سے ہندوستان پر یا تو ترک نسل سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کی حکومت رہی جو افغانستان کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ وہ جن ملکوں سے گزرتے، وہاں کے فوجی اور رضا کار بھی ان کے ساتھ ہو لیتے۔ مثلاً غزنوی، خاندانِ غلامان کے سلاطین، خلجی، تغلق اور اخیر میں مغل۔ یا وہ اپنی نسل، تہذیب اور روایات کے اعتبار سے افغانی ہی تھے، جیسے غوری، لودھی اور سوری خاندان۔ ہندوستان اسی زمانہ سے ان غیر معمولی جرأت و ہمت اور بے مثال شجاعت و شہامت والے اولوالعزموں اور شاہینوں اور عقابوں کی جولان گاہ رہا ہے۔ پہاڑوں سے گھرا ہوا ان کا اپنا ملک ان کے بلند عزائم کے سامنے محدود اور تنگ نظر آتا اور فتح و ظفر کے شوق کی تسکین اور شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانے کے لیے انہیں مناسب میدان نہ ملتا تو ہندوستان کا رُخ کرتے۔ ادھر ہندوستان مختلف اوقات میں ذہنی افسردگی، قوائے عملی کی سستی، بدنظمی اور سیاسی انتشار کا شکار ہوتا رہا۔ ایسے اوقات میں حرکت و زندگی اور جوش و جذبہ سے بھرپور، جفاکش اور جنگجو افغانی ہندوستان کا رخ کرتے، قلیل تعداد کے باوجود بڑی بڑی فوجوں کو شکست دیتے، مضبوط و مستحکم حکومتیں قائم کرتے اور ہندوستانی معاشرہ کے تن ناتواں میں نیا خون دوڑا دیتے۔

اسی طرح افغانستان میں اندرونِ ملک یا سرحدوں پر بسنے والے بہت سے خاندان ضروریاتِ زندگی اور وسائل کی کمی کی وجہ سے تلاشِ معاش یا طالع آزمائی کے شوق میں ہندوستان آجاتے۔ اس طرح کے قافلے عہد اسلامی کی ابتدا ہی سے ہندوستان آتے رہے۔ وہ اپنے ساتھ اپنی بہترین خاندانی خصوصیات اور موروثی صلاحیتیں لاتے اور یہاں ہندوستانی ماحول و معاشرہ سے یہاں کی خصوصیات، انداز و اطوار، اسلامی اقدار اور ہندوستانی اخلاق و آداب بھی حاصل کرتے۔ ان کی بہادری، جرأت، غیرت اور ذہانت و فطانت میں مزید جِلا پیدا ہو جاتی اور وہ اکثر

(۲) پانچویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

شجاعت، غیرت، نخوت، ذوق کی لطافت اور احساس کی نزاکت میں اپنے قدیم ہم وطنوں سے بھی فائق ہو جاتے۔ اس طرح کے بہت سے قبائل ہندوستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں۔ انہی سے مختلف حکومتوں میں انتظامیہ کی مشینری فراہم ہوتی تھی اور یہی ہر زمانہ میں فوج کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کا بنیادی عنصر ہوتے۔

یہاں کے مسلمان طویل مدت تک افغانستان کو ایسا ملک سمجھتے رہے جو ہندوستان کے لیے فرماں روا، حکام، منتظمین اور فوجی برآمد کرتا تھا۔ وہ اس کو ''ولایت'' کہتے تھے جس طرح انگریزی دورِ حکومت میں انگلینڈ اور اس کے دارالحکومت لندن کو ولایت کہا جاتا تھا۔ افغانستان سے آنے والے ''ولایتی'' کہلاتے تھے۔ برآمد کا یہ سلسلہ بہادر سپاہیوں، فاتحین، فوجی سربراہوں تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس سے زیادہ وسیع اور عام ہو گیا۔ چنانچہ ہندوستان میں افغانستان سے ممتاز علماء اور اصحابِ درس بھی تشریف لائے اور بعض ایسی تصانیف تحفہ میں دیں کہ علمائے ہند ایک مدت تک ان کے درس وتدریس اور شرح وتفصیل میں مشغول ومنہمک رہے۔ (۳)

افغانستان ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں

ہندوستانی مسلمان جب سخت اور دشوار ترین مراحل سے گزرتے، روشنی کی کوئی کرن نظر نہ آتی، ہر طرف یاس وناامیدی کے بادل اُمنڈتے دکھائی دیتے، جبکہ عام طور سے انسان اتفاقات، حادثات اور خارجی امداد کا سہارا تلاش کرنے لگتا ہے، تو وہ افغانستان کی طرف حسرت سے دیکھتے کہ شاید یہی ملک ان کو دشواریوں اور طوفانوں سے نجات دلائے گا۔ اکثر یہ حسن ظن اور خوش فہمی حدود سے بڑھ کر حسین خوابوں اور آرزوؤں تک پہنچ جاتی اور وہ خطرناک حد تک خود اعتمادی کے فقدان کا شکار ہو جاتے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ توقع حیرت انگیز شکل میں اُس وقت پوری ہوئی جبکہ دہلی میں مرہٹوں کی طاقت بہت بڑھ گئی اور اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ وہ پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیں گے اور مسلمانوں کے رہے سہے اثر واقتدار اور سیاسی وزن ووقار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ دہلی کی حکومت ان کے ہاتھوں کھلونا بنی ہوئی تھی اور مسلمان ان کے رحم وکرم پر تھے۔

---

(۳) جیسے علامہ محمد اسلم ہروی (م ۱۰۶۱ھ) اور ان کے ممتاز فرزند اور منطق کی مشہور کتاب ''رسالہ میر زاہد'' کے مصنف میر زاہد (م ۱۱۰۱ھ)۔ ان کے اور ہندوستان کے دوسرے افغانی علماء کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کی کتاب '' **نزهة الخواطر** '' خاص طور سے اس کی پانچویں اور چھٹی جلدیں۔

مسلمانوں کی اضمحلالی وانتشار کی شکار اور تھکی ہوئی فوجی طاقت اس ابھرتی ہوئی طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھی۔ اس وقت مسلمانوں کی نگاہیں افغانستان کی طرف اٹھ گئیں کہ وہی ان کو اس جانکاہ مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ اور بعض مسلمان رہنماؤں نے اپنے عہد میں مشرق کے سب سے بڑے فوجی رہنما احمد شاہ ابدالی کو ان حالات کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی (۴) جس کا ستارۂ اقبال نیا نیا طلوع ہوا تھا اور متعدد معرکوں میں اس کی قیادت وشجاعت کے جوہر آشکارا ہو چکے تھے۔ یہ ۱۷۶۱ء کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کی تمام مسلم طاقتیں مسلک وخیال کے اختلافات کے باوجود اس جھنڈے تلے جمع ہو گئیں اور (دہلی کے قریب پانی پت میں) مرہٹوں سے فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ اس کے بعد مرہٹے سنبھالا نہیں لے سکے۔

انگریزی تسلط واقتدار کے زمانہ میں افغانستان پر مسلمانوں کے مبالغہ آمیز اعتماد اور ان سے امداد کی توقع میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ان کی نگاہیں مستقل شمالی مغربی سرحدوں پر لگی رہتی تھیں کہ احمد شاہ ابدالی جیسا کوئی سالارِ لشکر اپنی ٹڈی دل فوج کے ساتھ ''درۂ خیبر'' پار کرے اور ان کو انگریز تسلط سے نجات دلائے۔ قدرتی بات تھی کہ ان کی توقع پوری نہیں ہوئی کیونکہ افغانستان خود اپنے اندرونی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں وہ خود دوگونہ خطرات کی زد میں تھا۔ اس کی آزادی واستقلال کو ایک طرف برطانیہ سے خطرہ لاحق تھا' دوسری طرف روس سے۔ پھر ایک چھوٹا سا کمزور ملک ہندوستان پر حملہ کر کے طاقتور اور مستحکم انگریز کو کیسے شکست دے سکتا تھا۔ بہرحال ہندوستانی مسلمان اور آزادی کے متوالے برادرانِ وطن ایک عرصہ تک انہی خوابوں اور تمناؤں کی دنیا میں بستے رہے۔

امیر حبیب اللہ خاں فرزند امیر عبدالرحمٰن خاں ۱۹۱۹ء میں قتل کیے گئے اور ان کے بیٹے امیر امان اللہ خاں تخت نشین ہوئے تو انہوں نے انگریزوں کے مقابلہ میں مضبوط اور جرأت مندانہ موقف اختیار کیا اور جنرل محمد نادر خاں کی قیادت میں افغانی فوج کو برطانوی فوجوں کے مقابلہ میں متعدد کامیابیاں حاصل ہوئیں تو امیر امان اللہ خاں مسلمانوں اور حریت پسندوں کی محبت وعقیدت کا مرکز اور ان کا محبوب ودل پسند موضوع گفتگو بن گئے۔ ادھر مسلمان انگریز حکومت سے عاجز آ چکے تھے۔ ملک کی سرزمین اپنی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے باوجود ان پر تنگ ہو چکی تھی۔ چنانچہ افغانستان کی طرف ہجرت کی لہر چل پڑی اور سینکڑوں ممتاز مسلمان اور تعلیم یافتہ انقلابی

(۴) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) ان میں سب سے ممتاز ہیں۔ انہوں نے افغانی سردار احمد شاہ ابدالی کو کئی خطوط لکھے' جس سے ان کی باخبری اور دور بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ خطوط کے لیے ملاحظہ ہوں شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی خطوط' مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

نوجوان ہجرت کر کے کابل پہنچ گئے۔لیکن چونکہ یہ اقدام کسی سوچے سمجھے پروگرام کے تحت نہیں ہوا تھا اور کسی بھی راہنما نے نہ تو اس سے پیدا ہونے والے مسائل اور متوقع نتائج پر غور کیا تھا نہ اس سلسلہ میں افغانی حکومت سے کوئی مفاہمت ہوئی تھی' بالآخر یہ تحریک ناکام ہوگئی اور ہجرت کرنے والوں کو بعض دشواریاں بھی پیش آئیں۔

پھر بعض معاملات میں امیر امان اللہ خاں کی بعض جدتیں' اسلامی روایات کی مخالفت' مصطفیٰ کمال پاشا کی تقلید میں اہل مغرب کی نقالی اور اپنی ملکہ کو بے پردہ نکالنے کی وجہ سے افغانی قوم میں ان کے خلاف سخت ناراضگی پھیل گئی اور وہاں انتشار پیدا ہو گیا۔انگریز بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھے۔انہوں نے اس شورش کو امیر امان اللہ خاں کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے استعمال کیا اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔۱۹۲۷ء میں امیر امان اللہ خاں تخت سے ہٹائے گئے اور وہاں حبیب اللہ عرف ''بچہ سقہ'' برسر اقتدار آ گیا۔ان حالات سے اہل ہند بہت متاثر اور فکر مند ہوئے' جیسے یہ ان کے اپنے ہی ملک کے مسائل ہوں۔یہاں تک کہ جنرل نادر خاں سامنے آئے' زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور حالات درست کیے تو افغانستان سے دلچسپی رکھنے والوں کو بھی سکونِ قلب میسر آیا۔

اور یہ تو ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے کہ جنرل محمد نادر خاں نے علامہ اقبال' سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۳ء میں اپنے ملک کے بعض اسلامی و تعلیمی مسائل میں مشورہ کے لیے دورۂ کابل کی دعوت دی۔ان حضرات نے بخوشی دعوت قبول کی اور اسے ایک قدیم اسلامی مملکت کی زیارت اور ایک مسلمان مجاہد سربراہِ سلطنت سے ملاقات کے لیے قیمتی موقع شمار کیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ استاذ محترم علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم وہاں سے واپس تشریف لائے تو بہت ذوق وشوق سے وہاں کے حالات وتأثرات بیان کر رہے تھے۔وہ شاہ کی ملاقات سے بہت گہرا اثر لے کر لوٹے تھے اور لکھنؤ ہی میں مقیم تھے کہ اچانک شاہ کی شہادت کی خبر ملی' جس سے وہ بہت مغموم ومتأثر ہوئے۔

انگریز دورِ حکومت میں ہندوستان اور افغانستان کی سرحدیں کھلی ہوئی تھیں' وہاں سے تاجر' علماء اور طلبہ آتے تھے۔اہل ہند ان کو بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کو اپنے سے زیادہ طاقتور اور غیور سمجھتے تھے۔ہمارے بچپن میں کابل کے تاجر اپنے علاقہ کی مختلف اشیاء لیے اکثر دیہاتوں اور شہروں میں گھومتے پھرتے نظر آتے۔وہ نمازوں کے بڑے پابند ہوتے تھے۔ان کی جسمانی قوت' ان کی ہیئت کذائی اور ان کا ڈھیلا ڈھالا لباس لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔بچے

ان سے بہت ڈرتے تھے‘انہیں ’’آغا‘‘ کہتے تھے۔بچپن میں ہم نے صرف اسی طرح کے ملک میں گھومنے پھرنے والے تاجر قسم کے افغانی دیکھے تھے‘لیکن جوں جوں عمر اور اس کے ساتھ معلومات میں اضافہ ہوا تو اپنے پڑوسیوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا‘ خاصی معلومات حاصل کیں‘اور اس ملک کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

سفر افغانستان میں تاخیر

میری زندگی میں بیرونی سفر اور غیر ممالک کے دورے کوئی نئی بات نہیں۔میں نے کئی مرتبہ مختلف عرب ممالک کا دورہ کیا ہے‘ متعدد بار یورپ بھی گیا ہوں‘ عالمِ اسلام کے فردوسِ گم گشتہ‘ اندلس (اسپین) کی بھی زیارت کی ہے‘مغربی ایشیا کے اکثر اور بحر ہند کے بعض ممالک میں بھی جانا ہوا ہے۔قرائن اس کے موجود تھے کہ اس پڑوسی ملک کے دورہ کا بھی موقع ملتا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد دونوں ملکوں میں دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے۔کابل اور غزنین میں ہمارے بعض احباب بھی تھے‘جن سے قدیم دینی وعلمی روابط تھے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ (م ۱۲۴۶ھ) کی دعوتِ اصلاح وتجدید اور تحریک جہاد میں بھی افغانستان کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔وہ اپنی سرگرمیوں اور جدوجہد کے مرکز تک افغانستان ہی کی راہ سے پہنچے تھے۔اہل افغانستان نے بے نظیر جوش وخروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا تھا۔ پوری قوم اور حکومت ان کی طرف جھک پڑی تھی اور حکمران خاندان سے بھی ان کے تعلقات رہے تھے‘ کبھی مستحکم اور کبھی کمزور‘ جس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے (۵)۔اگر اس فیصلہ کن اور تاریخی موقع پر افغانستان کے امراء نے وقت کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہوتا‘ اس تحریک کی قدر کی ہوتی اور اس کے قائد کے اخلاص‘ اس کی دردمندی اور اثر انگیزی کو صحیح طور پر محسوس کیا ہوتا تو اس علاقہ میں مسلمانوں کی تاریخ آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تابناک اور باعظمت ہوتی۔

میں نے نوجوانی ہی کے دور میں سید احمد شہیدؒ اور ان کی دعوت پر ایک کتاب لکھی تھی (۶) اور شمالی سرحد کے ان علاقوں کو بار بار دیکھ چکا تھا‘ جہاں جہاد کے معرکے گرم ہوئے تھے اور ان کا

(۵) افغانستان میں وہی خاندان اب تک برسر اقتدار ہے۔سید احمد شہیدؒ کی دعوت وتحریک کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب ’’سیرت سید احمد شہیدؒ‘‘۔

(۶) سیرت سید احمد شہیدؒ جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔مصنف نے اس میں اضافہ کا سلسلہ جاری رکھا۔حال میں اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن پانچ پانچ سو صفحات کی دو ضخیم جلدوں میں لاہور سے شائع ہوا ہے۔

اسلامی نظام قائم ہوا تھا' مگر اس دعوت کی تاریخ سے گہری دلچسپی' اس موضوع پر مطالعہ وتحقیق' بہادر وغیور افغانی قوم اور اس کی اپنے ملک سے محبت وتعلق کی قدر کے باوجود مجھے اس ملک کی زیارت کا موقع نصیب نہیں ہوا۔

رابطۂ عالم اسلامی کا وفد

اللہ تعالیٰ رابطۂ عالم اسلامی کا بھلا کرے کہ اس نے شجاعت وسرفروشی کی اس سرزمین کی زیارت کا موقع فراہم کر دیا' ساری سہولتیں مہیا کیں اور اس کے ذمہ داروں نے اتنا اصرار کیا کہ میری معذوریاں' مشاغل کی کثرت اور دوسری رکاوٹیں سدِّ راہ نہ بن سکیں اور میری ایک دیرینہ تمنا کے برآنے کی صورت پیدا ہوگئی۔ رابطہ نے افغانستان' ایران اور مغربی ایشیا کے بعض عرب ممالک کے دورہ کے لیے ایک وفد کی تشکیل کی۔ مجلس تاسیسی (Foundation Body) کے دو ممبران اس کے رکن منتخب ہوئے اور رابطہ کے سیکرٹیریٹ میں اسلامی تنظیموں کے شعبہ کے ذمہ دار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کو وفد کے سیکرٹری اور میرے خاص رفیق ومعاون کی حیثیت سے وفد میں شامل کیا گیا اور اس وفد کی قیادت وسربراہی کی ذمہ داری مرے ناتواں کاندھوں پر ڈالی گئی۔ لیکن دونوں معزز ممبران' بیروت کے شیخ سعدی یٰسین اور سری لنکا کے مسٹر حنیفہ محمد حنیفہ سابق وزیر لنکا' بعض اسباب وعوائق کی بنا پر ہندوستان نہیں آ سکے' تو رابطہ کے سیکرٹیریٹ کی نظر انتخاب سعودی عرب کے مشہور وممتاز صاحب قلم' مجلس شوریٰ کے رکن' جامعہ ملک عبدالعزیز جدہ میں اسلامی تہذیب وثقافت کے پروفیسر شیخ احمد محمد جمال پر پڑی۔ یہ انتخاب بڑا موزوں ومناسب تھا۔ اتوار ۳؍جون ۱۹۷۳ء کی صبح کو وہ مکہ سے براہِ راست کابل پہنچ گئے اور میں بعض اسباب کی بنا پر ایک دن کی تاخیر سے ۴؍جون ۷۳ء کی شام کو کابل پہنچا۔

محترم شیخ صالح قزاز سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی کی سربراہی میں امانت عامہ (جنرل سیکرٹیریٹ) پہلے ہی سے وفد کے پروگرام اور دیگر سہولیات کے سلسلہ میں افغانستان کے ذمہ داروں اور کابل میں سعودی سفارت خانے سے رابطہ قائم کر چکی تھی' تاکہ وفد بہتر طریقے سے اپنے فرائض انجام دے سکے اور اپنا پیغام پہنچا سکے۔

حکومت افغانستان نے دنیا کے عظیم ترین اور اہم ترین اسلامی ادارہ کی نمائندگی کرنے والے اس وفد کو خوش آمدید کہا جس میں سارے عالم اسلام کے علماء' فضلاء' مفکرین اور اصحابِ رائے کی بڑی تعداد کی نمائندگی ہے' اور جو ایسے شہر میں قائم ہے جس کی مسلمانوں کے دلوں میں بڑی عزت وعظمت ہے' اور خادم الحرمین الشریفین اور اتحادِ اسلامی کے سب سے بڑے داعی شاہ

فیصل جس کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

افغانوں کی مہمان نوازی اور اکرامِ ضیف مشہور ہے' چنانچہ قدیم روایات کے مطابق افغانی حکومت نے اصرار کیا کہ وفد سرکاری مہمان رہے' اور وزارتِ تعلیم کے سپرد کیا کہ وفد کے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے' سفروں اور ملاقاتوں کا پروگرام مرتب کرے' اور سعودی سفارت خانہ نے شکریہ کے ساتھ یہ کریمانہ پیشکش قبول کر لی۔

سرزمین کابل میں

ہم دوشنبہ ۴ر جون ۷۳ء کو دہلی سے ایک افغانی طیارہ کے ذریعہ روانہ ہوئے۔ اناؤنسر نے اعلان کیا ''کابل قریب آ گیا ہے'' تو کانوں میں نغمگی اور دل میں شیفتگی محسوس ہوئی کہ آج ایک دیرینہ تمنا پوری ہو رہی تھی۔ مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے شام ہمارا طیارہ کابل ہوائی اڈے پر اترا۔ موسم مناسب تھا' دہلی کے سخت موسم کے مقابلہ میں اعتدال سے زیادہ قریب۔ ہمارے استقبال کے لیے افغانستان میں سعودی سفیر' ہمارے پرانے کرم فرما ہندوستان میں سابق سعودی سفیر اور ہندوستانی مسلمانوں کی محبوب شخصیت شیخ محمد الحمد الشبیلی ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ان کے ساتھ سعودی سفارت خانہ کے نائب سفیر علی الفوزان' ہمارے وفد کے ممبر شیخ احمد محمد جمال' کابل یونیورسٹی میں ''کلیة الشریعه'' کے پرنسپل غلام محمد نیازی' افغانی وزارتِ تعلیم میں دینی تعلیم کے ڈائریکٹر شیخ محمد اسلام تسلیم' دارالحفاظ کابل کے مدیر سید محمد یعقوب ہاشمی' کلیة الشریعة کے استاذ پروفیسر عبدالرسول سیاف اور دوسرے ممتاز علماء و اعیان بھی موجود تھے۔ پروفیسر سیاف ہی کو وزارتِ تعلیم نے ہمارے وفد کا رفیق اور مترجم منتخب کیا تھا۔

ہوٹل کابل میں ہمارے قیام کا انتظام تھا' اور حسن اتفاق کہ چالیس سال پہلے علامہ سید سلیمان ندوی' علامہ اقبال اور سر راس مسعود پر مشتمل وفد کابل کے دورہ پر آیا تھا تو اسی ہوٹل میں قیام پذیر ہوا تھا۔ اس عرصہ میں اس کی عمارت نئی تعمیر کی گئی اور بعض اصلاحات بھی کر دی گئی ہیں۔ میں جس کمرہ میں مقیم تھا' اس کی کھڑکی امیر عبدالرحمٰن خان غازی کے مقبرہ کی طرف کھلتی تھی۔ انگریزوں سے جنگ اور اسلام سے بیگانہ دور دراز علاقوں میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں ان کے عظیم الشان کارنامے مشہور ہیں (۷)۔ اس سے عظمت رفتہ اور اچھے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی۔

(۷) امیر شکیب ارسلان ''حاضر العالم الاسلامی'' پر اپنے مشہور اور بیش قیمت حواشی میں امیر عبدالرحمٰن کی سیاسی و انتظامی خصوصیات و امتیازات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''مشرقی جانب حدودِ سلطنت کو وسیع کیا' وادی کفرستان کو اپنے زیر نگیں کر لیا' وہاں کے باشندوں کو انہی کے ذریعہ ◄◄

وزارتِ تعلیم کی ضیافت اور رہنمائی میں

ہم کو کابل میں کل چھ دن گزارنے تھے اور مقامی وزارتِ تعلیم نے سعودی سفارت خانہ کے تعاون سے مختلف مقامات کے دوروں، ملاقاتوں، جلسوں اور تقریروں کا تفصیلی پروگرام مرتب کرلیا تھا۔ اور اس پروگرام کی ترتیب وتشکیل بلکہ وفد سے غیر معمولی دلچسپی اور اس کے اعزاز واکرام زیادہ تر کلیۃ الشریعہ (کلیہ فاکولتہ شرعیات۔ پوہنتون کابل) کے پرنسپل ڈاکٹر غلام محمد نیازی کا رہین منت ہے۔ انہوں نے پہلا مناسب کام تو یہ کیا کہ کلیۃ الشریعہ کے استاذ پروفیسر عبدالرسول سیاف کو وفد کا رفیق اور مترجم مقرر کیا۔ وہ افکار وخیالات، ترجمہ پر قدرت اور جوش وجذبہ، ہر اعتبار سے اس نازک اور دشوار کام کے لیے موزوں ترین شخص تھے۔ میں نے ان کے جیسا ترجمہ پر قادر، اس کا پورا پورا حق ادا کرنے والا اور متکلم کی صحیح ترجمانی کرنے والا کم دیکھا ہے۔ وہاں کے نوجوانوں سے ان کے تعلقات بھی وسیع اور گہرے ہیں، اور صحیح اور صالح بنیادوں پر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کی عقلی وفکری تربیت اور ذہنی رہنمائی کی بڑی فکر رکھتے ہیں۔ جامع ازہر کے ''کلیہ اصول الدین'' کے فارغ التحصیل ہیں۔ ملاقات سے پہلے میری بعض کتابیں پڑھ چکے تھے۔ موصوف اور ان کے رفقاء سید قطب شہید، مولانا مودودی اور راقم الحروف کی کتابوں سے بہت متاثر ہیں اور مقامی دونوں زبانوں، فارسی اور پشتو، میں ان کے تراجم کے خواہش مند بھی۔ اس رجحان میں دو معزز علماء، ڈاکٹر محمد موسیٰ توانا اور برہان الدین ربانی، ان کے شریک وسہیم ہیں۔ مؤخر الذکر کی متعدد تصنیفات اور تراجم زیورِ طبع سے آراستہ بھی ہوچکی ہیں۔

ہم نے کابل میں جو چھ دن گزارے وہ تعداد میں اور ملک کی وسعت واہمیت کے اعتبار سے تو بہت کم تھے، لیکن پروگراموں اور مشاغل کی کثرت کے اعتبار سے بہت مشغول، بہت مفید اور قیمتی تھے۔ اور قیام کے اختصار، جس پر ہم اسباب کی وجہ سے مجبور تھے، کی ہمیں قیمت بھی چکانی پڑی۔ متواتر کام، گٹھے ہوئے پروگرام اور تھکا دینے والی مسلسل مشغولیت برداشت کرنی پڑی۔ اکثر ایک ہی دن میں چار چار، پانچ پانچ پروگرام اکٹھے ہو جاتے، جن میں بعض بڑے اداروں کو

◀◀ اللہ نے اسلام کی ہدایت دی اور اس کا نام ''نورستان'' رکھا۔ مختصراً یہ کہ انہی کے زمانہ میں افغانی قوم سکون وآرام سے لذت آشنا ہوئی اور اتحاد کا مفہوم سمجھا۔ وہ ملک کی اصلاح میں منہمک رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں جوارِ رحمت میں جگہ دی۔ وہ حکومت، حسن انتظام اور عزائم کی پختگی میں اپنے زمانہ کے بہترین بادشاہوں میں شمار کیے جاتے تھے''۔

(حاضر العالم الاسلامی، ج ۲، ص ۲۷۹)

دیکھنا' طلبہ واساتذہ سے خطاب' اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں اور دعوتوں میں شرکت وغیرہ شامل ہوتے۔ اِدھر اُدھر آنے جانے لوگوں سے ملاقاتوں اور بات چیت میں پورا دن گزر جاتا اور تھکے ہارے رات گئے واپس آتے' لیکن افغانی علماء وعمائدین کے خیر مقدم' نوجوانوں کے جوش اور ان کی توجہ ودلچسپی کی شکل میں ہماری محنت ومشقت اور چین وسکون سے محرومی کا بہترین صلہ مل جاتا۔

تعلیمی وثقافتی اداروں کا معائنہ

تعلیمی اداروں میں ہم سب سے پہلے کابل کے ایک نواحی محلّہ بگرامی میں واقع ''مدرسہ ابی حنیفہ'' دیکھنے گئے اور وہاں کے اساتذہ وطلبہ سے گفتگو ہوئی۔ مدرسہ ابتدائی' وسطانی اور ثانوی تین مراحل پر مشتمل ہے۔ مدرسہ کے ناظم استاذ محمد سیلانی ہمیں اس کے درجوں' ہوسٹلوں اور مطبخ دکھلانے لے گئے۔ ہم نے متعدد طلبہ اور اساتذہ سے گفتگو بھی کی اور مسجد میں عمومی خطاب کیا۔ طلبہ کے عربی سے واقف ہونے کی وجہ سے فارسی میں ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس کے بعد ہم مدرسہ ''دارالحفاظ'' میں گئے۔ اس کے ناظم سید محمد یعقوب ہاشمی نے ہمارا استقبال کیا۔ ہمارے اعزاز میں ایک جلسہ بھی منعقد کیا جس میں مدرسہ کے اساتذہ اور کابل کے علماء وشیوخ کی اہم تعداد نے شرکت کی۔ اس کے بعد ''دارالعلوم'' دیکھنے گئے۔ یہ دارالسلطنت میں سب سے بڑا دینی ادارہ ہے۔ میں نے سنا کہ موجودہ وزیراعظم ڈاکٹر محمد موسیٰ شفیق بھی اس ادارہ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اس کا اسٹاف فاضل علماء اور بڑے بڑے شیوخ پر مشتمل ہے۔ اس کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مولوی محمد گل ہیں۔ اس کے صحن میں ایک بڑا جلسہ ہوا۔ شہر کے علماء' معززین اور اعیانِ شہر بڑی تعداد میں شریک ہوئے اور وفد کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ میں نے اور استاذ احمد محمد جمال نے تقریریں کیں۔ میری تقریر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کارناموں' ان کی غیرتِ ایمانی' مرتدین اور محرفین سے دین کی حفاظت وحمایت اور ان کے یادگار مقولہ ''أینقصُ الدّین وأنا حیٌّ'' (دین میں ترمیم وتنسیخ ہو اور میں زندہ رہ کر اس کو دیکھتا رہوں؟) کی تشریح وتفصیل' اور اپنے اپنے ممالک اور علاقوں میں علماء کی ذمہ داریوں سے متعلق تھی۔ اس سلسلہ میں مَیں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کارنامہ کو جو ہندوستان کو اسلامی حصار میں رکھنے کے لیے انجام دیا گیا' تفصیل سے بیان کیا۔ اس لیے کہ افغانستان کے موجودہ حالات ودور کو مجدد صاحب کے دور سے خاص مناسبت ہے اور ان کی شخصیت یہاں ہر حلقہ میں معروف ومحترم ہے۔ چونکہ فضا علمی ودینی تھی' اکثر حاضرین عربی زبان سمجھتے تھے اور ترجمہ کی رکاوٹیں اور الجھنیں نہیں تھیں' اس لیے بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اپنی بات پیش کی۔

ہمیں جن عربی اداروں میں جانے اور وہاں کے علماء اور نوجوانوں سے گفتگو کا موقع ملا اس میں سب سے اہم اور ممتاز ''کلیة الشریعة'' تھا۔ ارکانِ وفد کے لیے یہ فطرتاً دلچسپی کی جگہ تھی' اس لیے کہ یہاں وہ نوجوان زیرِ تعلیم ہیں جن سے اس ملک میں دینی قیادت کی زیادہ اُمید کی جاسکتی ہے۔ یہاں کے اساتذہ بھی اپنی ذہنی و علمی صلاحیتوں اور علم و مطالعہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ یہی کالج وفد کا اصل میزبان تھا۔ اس کے پرنسپل ڈاکٹر محمد غلام نیازی کا شمار تحقیقی ذوق رکھنے والے علماء میں ہوتا ہے' اسلامیات پر ان کا مطالعہ گہرا اور وسیع ہے۔ کالج نے احباب و رفقاء کے تعارف کے لیے ایک عشائیہ کا بھی اہتمام کیا۔ یونیورسٹی ہال میں منعقد ہونے والے عظیم الشان جلسہ کا انتظام و انصرام بھی اسی کالج کی طرف سے ہوا تھا جس میں بعض ممالک کے سفراء' ممتاز علماء' اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات' سرکاری ملازمین' تعلیم یافتہ نوجوان اور کالج کے طلبہ کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اس جلسہ کی تقریر عنقریب نظر سے گزرے گی۔

ہم نے ''ملالی گرلس کالج'' بھی دیکھا جو تحریک آزادی کی قائد ایک افغانی خاتون ''ملالی'' کی طرف منسوب ہے۔ استاذ احمد محمد جمال نے یہاں ایک موزوں اور مناسب تقریر کی جس میں انہوں نے شریعتِ اسلامیہ میں مسلمان عورت کی حیثیت اور مسلم معاشرہ میں اس کے حقوق' اس کی اہمیت اور قدر و منزلت پر روشنی ڈالی۔ اس کالج میں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہم یورپ کے کسی گرلس کالج یا مغربی ممالک کے کسی زنانہ ثقافتی مرکز میں پہنچ گئے ہیں۔ بے پردگی عام تھی' لیکن ساتھ ہی شرم و حیا اور حجابِ نظر کے بھی آثار نظر آتے تھے' جس میں افغانی خواتین کسی زمانہ میں ضرب المثل تھیں۔ اس جلسہ میں احتیاط اور ذہانت کے ساتھ مقرر سے متعدد سوالات بھی کیے گئے۔ استاذ احمد محمد جمال نے قابلیت اور سلیقہ کے ساتھ ان کے جوابات دیے۔ وہ مسلمان عورت کے حقوق اور اس مسئلہ میں اسلامی قانون اور دوسرے قوانین کے تقابل کے خصوصی ماہرین میں سے ہیں۔ کالج کی خاتون پرنسپل نے مطالبہ کیا کہ تعددِ ازدواج کی حرمت کا متفقہ فتویٰ صادر کر دیا جائے' کیونکہ اس میں عورت کی سخت توہین ہوتی ہے۔ مقررِ موصوف نے اس کے جواب میں وہ اسباب و مصالح بتلائے جن کی وجہ سے اسلام نے یہ حق باقی رکھا ہے۔

ہم لڑکوں کا جدید طرز کا ایک کالج ''مدرسۃ الاستقلال'' بھی دیکھنے گئے۔ اس پر فرانسیسی رنگ غالب ہے' اس کے پرنسپل استاذ عبدالہادی فرانس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہاں مجھ کو نوجوانوں سے کچھ کہنے کا موقع ملا۔ میری باتیں کسی کامل کو قابلِ تقلید نمونہ یا اُسوہ (Ideal) بنانے اور نوجوانوں کی تربیت اور ان کی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر میں اس کے اثرات کے موضوع پر تھیں۔

تجدد پسند افغانی خواتین سے گفتگو

سعودی سفارت خانہ کی شدید خواہش تھی کہ کابل میں ہمارے مختصر ترین قیام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر علمی و دینی مجلسوں اور ہر طبقہ کے تعلیم یافتہ اور ممتاز افراد سے تعارف اور ملاقاتوں کا انتظام کر رہا تھا۔ چنانچہ سفیر کی وسیع اور شاندار قیام گاہ پر دو مخصوص نشستیں ہوئیں۔ ایک نشست ممتاز، معزز اور دین دار گھرانوں سے تعلق رکھنے والی مسلم خواتین کی تھی۔ مجلس میں شریک ہونے والی خواتین اللہ کا شکر ہے اسلامی عقائد سے باغی یا جدید تہذیب وتمدن کے زعم میں دین سے یکسر بیگانہ و بیزار نہیں تھیں۔

افغانی خواتین میں جدید تہذیب اور مستشرقین کے افکار کے اثرات

پھر بھی ہم یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے کہ ملک میں مغربی تہذیب بہت آگے جا چکی ہے اور اس کے ثمرات بھی ظاہر ہو رہے ہیں، ۱۹۲۸ء اور ۱۹۷۳ء کے درمیان وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے۔ امیر امان اللہ خاں کے دور تک افغانی قوم اسلامی افغانی روایات پر بڑی مضبوطی سے قائم تھی، اسے دانتوں سے پکڑے ہوئے تھی، اس کا تصلب غلو اور مبالغہ کی حد تک پہنچا ہوا تھا، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ امیر امان اللہ خاں کی بعض قدیم اسلامی روایات کی خلاف ورزی کی بنا پر ان کے خلاف ہنگامہ برپا ہو گیا اور ان کو تخت و تاج سے دست بردار ہونا پڑا۔ لیکن اِس وقت صورت حال بالکل مختلف ہے، افغانی قوم اپنے ماضی سے بہت دور جا پڑی ہے، اور یہ دوری ماہ و سال کی تعداد کے اعتبار سے تو بہت کم ہے، یعنی صرف پینتالیس سال، لیکن فکری اور تمدنی اعتبار سے یہ مسافت بہت طویل ہے۔ اکثر قومیں کہیں صدیوں میں اتنی مسافت طے کرتی ہیں۔ پردہ اب پس ماندگی، جہالت اور غربت کی علامت بن گیا ہے۔ اسی وجہ سے دیہاتوں، گاؤں میں بعض دیندار علماء اور دارالسلطنت سے دور کسانوں کے گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ فرنگی لباس عام ہے۔ پھر بھی قدیم ماحول اور طبیعتوں میں رچی ہوئی اسلامی خصوصیات کے اثرات اب تک ان تعلیم یافتہ مسلم خواتین میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہیں۔ اس لیے ان کے سوالات اور گفتگو میں توہین و استہزاء کا انداز نہیں تھا بلکہ ہم لوگوں سے دورانِ گفتگو وہ خاصی محتاط رہیں۔ ان کی باتوں سے دین اور اہل دین کا احترام جھلکتا تھا۔ وہ اسلام میں عورت کی حیثیت اور اس کے عطا کردہ مراتب و حقوق معلوم کرنے کا شوق ظاہر کرتی رہیں، لیکن ان کے سوالات سے صاف ظاہر ہو جاتا تھا کہ غیروں کی تہذیب وتمدن کے اثرات کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور مستشرقین کی تحریریں اور اسلام، اس کے اصول و مبادی اور اسلامی نظامِ حیات کے خلاف ان کا منظّم اور منصوبہ بند پروپیگنڈا اور یورپ کے پھیلائے ہوئے کامل

مساواتِ مرد وزن کے نظریہ کے اثرات کتنی گہرائی تک اُتر چکے ہیں۔اس کے مقابلہ میں اسلام اور اسلامی شریعت کو جدید اور مؤثر انداز میں پیش کرنے اور تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو مطمئن کرنے کے سلسلہ میں مسلمان اصحابِ دعوت وارشاد اہل قلم اور علمائے کرام کی کوتاہیوں کا بھی ہم کو احساس ہو رہا تھا۔ بہرحال دونوں طبقوں ——— دین کے نمائندہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ——— کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج بہت وسیع ہوگئی ہے جس کو پر کرنا آسان نہیں ہے۔

اس مجلس میں ہمارے فاضل رفیق استاذ احمد محمد جمال نے گفتگو کی اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں وہ اس موضوع کے ممتاز ماہرین میں سے ہیں اور اس سلسلہ میں خاصا کام بھی کر چکے ہیں۔ان کی کتاب ''مَکَانَکِ تُحْمَدِیْ'' اس موضوع پر ایک اچھی کتاب ہے۔ میں نے بھی مناسب سمجھا کہ ذہن کو تیار و ہموار کرنے کے لیے عمومی انداز کی ایک بات سامنے رکھ دوں چنانچہ میں نے کہا:

بے پردگی اور معاشرتی قدروں سے بغاوت، قومی زوال کا پیش خیمہ

''میں نے قوموں اور تہذیب وتمدن کی تاریخ اور خاص طور سے قوموں اور تہذیبوں کے ارتقاء وانحطاط کی تاریخ کا مطالعہ بڑی توجہ اور انہماک سے کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال ان کی تباہی و بربادی اور انتہائی ترقی یافتہ اور مسحور کن تمدنوں اور تہذیبوں کے زوال اور فنا کا سب سے اہم اور بنیادی سبب ہے ان کے عائلی نظام کا انتشار گھریلو زندگی میں اعتدال وتوازن کا فقدان مرد وزن کے ارتباطِ باہمی میں فساد واختلال گھریلو زندگی سے عورتوں کی بے توجہی اور اس کی ذمہ داریوں سے فرار۔تاریخ میں جتنی بھی زوال پذیر تہذیبیں اور پستی وانحطاط اور تباہی و بربادی کی طرف تیز قدموں سے بھاگتی ہوئی قومیں نظر آتی ہیں وہاں یہ بیماری ضرور پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ عورتوں نے گھریلو زندگی سے فرار اور اس کی ذمہ داریوں سے پہلوتہی شروع کر دی وہ مامتا کے جذبہ سے محروم ہوگئیں اولاد کی پرورش و پرداخت اور نئی نسل کی تربیت اور اس کی ذمہ داریوں سے گریز کرنے لگیں اور اپنے گھر کو سکون و اطمینان کا گھر بنانے سے غافل ہوگئیں جہاں مرد کو امن و عافیت اور سکون وراحت کی دولت میسر آسکے وہ گھر میں داخل ہو تو محسوس کرے جیسے جنت میں آ گیا ہو بلکہ اس کے بجائے وہ مردوں کی ذمہ داریوں اور ان کی کارگزاری کے میدانوں میں برابر کی شرکت ان کی ہم سفری اور ہم صفیری ہر میدان میں ان کے دوش بدوش کھڑے ہونے بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں ان کا مقابلہ کرنے کے شوق میں پاگل ہوگئیں اور اس کے نتیجہ میں ان معاشروں میں ذہنی وفکری انتشار عام لاقانونیت انارکی اور اخلاقی

بحران پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہلاکت کے غار کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم اور تیز ہو گئے۔ یہی قدیم یونانیوں کی کہانی ہے اور یہی قدیم رومیوں ایرانیوں کے زوال کی داستان ہے' اور مجھے خطرہ ہے کہ کہیں مشرقی قومیں بھی اسی دردناک انجام سے دوچار نہ ہوں' اور رنج وفکر کی بات ہے کہ ہمارے مشرقی اسلامی معاشرہ میں اس کے آثار ظاہر بھی ہو چکے ہیں''۔

جزوی ترمیم واصلاح کے ساتھ یہ میری وہاں کی تقریر کا خلاصہ ہے' (اور تحریر وتقریر میں کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہی ہے) اُمید ہے کہ ہماری یہ سطریں معزز افغانی بہنوں تک پہنچیں گی' کاش کہ یہ ان پیش آنے والے خطرات کا احساس دلانے میں کوئی مفید خدمات انجام دے سکیں۔

اس کے بعد استاذ احمد محمد جمال نے ایک عالمانہ تقریر کی اور عورت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر' معاشرہ میں اس کے حدود' اور زندگی میں اس کے فرائض اور اچھے خاندان اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں عورت کے اہم کردار کی تشریح کی۔ پھر سوالات کا ایک سیلاب امنڈ پڑا۔ اکثر سوالات تعددِ ازدواج' حق طلاق کے لیے مردوں کی خصوصیت اور شرعی پردہ سے متعلق تھے۔ مجلس سکون ووقار کی فضا میں ختم ہوئی اور تمام خواتین وحضرات شام کے کھانے اور عشاء کی نماز کے لیے اٹھ گئے۔

ہمارے رفیق استاذ احمد محمد جمال کابل میں خواتین کی ایک اور نشست میں شریک ہوئے۔ میں اس وقت غزنی میں تھا اس لیے شریک نہیں ہوسکا۔ واپسی پر بتلایا گیا کہ پردہ' مردوں کے حق طلاق اور تعددِ ازدواج کے موضوع پر گرما گرم بحث ہوئی۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ افغانی خواتین ذہنی اور فکری انتشار واضطراب کی کس منزل سے گزر رہی ہیں اور غیر ملکی تہذیب وثقافت کا پروپیگنڈہ اور اس کے اثرات کس حد تک پہنچ چکے ہیں!

علمائے کابل سے گفتگو

دوسری مجلس علماء کے لیے مخصوص تھی' اور چونکہ سعودی سفارت خانہ کو دینی ومذہبی حلقہ میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس لیے علماء ومشائخ کی بڑی تعداد نے سفارت خانہ کی دعوت قبول کی اور ہر طرح کے تکلف وتصنع سے پاک' خالص برادرانہ اور دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی۔ اس رات میری گفتگو کا موضوع تھا ''اسلام کی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں علماء کی ذمہ داریاں اور قوم سے براہِ راست تعلق''۔ میں نے خاص طور پر دو طبقوں عوام اور نوجوانوں کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور اس میدان میں بعض جماعتوں اور تحریکوں کے تجربات بیان کیے۔ برصغیر کی

تبلیغی جماعت اور اس کے طریق کار کا تذکرہ کیا کہ کس طرح اس جماعت نے ہمارے اس دور میں قوم سے براہِ راست تعلق قائم کرنے اور عام مسلمانوں کے گھروں' منڈیوں اور بازاروں تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی اور اس کی دعوت دور دراز ممالک تک پھیل گئی۔ اسی طرح اس نے عوام میں مذہبی شعور اور دینی جذبہ بیدار کرنے اور اللہ کی طرف توجہ' اخلاق و اعمال کی اصلاح' ایثار' اللہ کی راہ میں محنت و مشقت پر آمادہ کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ میں نے کہا کہ عوام کو دینی رہنمائی' اسلامی تعلیم و تربیت اور دین کے مکمل شعور کے بغیر چھوڑ دینا بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کسی بھی مفسد و ملحد کے لیے تر نوالہ اور خوشگوار گھونٹ ثابت ہو سکتے ہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ تباہ کن تحریکوں اور اسلام دشمن افکار و خیالات کا شکار ہو سکتے ہیں۔

پھر میں نے نوجوانوں اور خاص طور سے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نوجوانوں کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا کیونکہ وہی موجودہ نسل کی جگہ لینے والی نسل ہے اور وہی ملک کی قیادت' زندگی کی تشکیل' قانون سازی اور تعلیم و تربیت کا رُخ متعین کرنے کی ذمہ داریاں سنبھالیں گے۔ تمام امور و معاملات کی کلید اور حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہوگی۔ ان کی اصلاح ملک و قوم کی اصلاح ہے اور فضائل اسلام پر ان کا پختہ یقین' اسلامی اصولوں اور تعلیمات پر ان کا راسخ ایمان اور دین کے لیے ان کا جوش و جذبہ ہی اس علاقہ میں اسلام کی بقا اور اس کی قوت و شوکت کی ضمانت ہے' اور اسلام کی صلاحیتوں سے ان کی بے اعتمادی' عقیدہ و ایمان کی کمزوری' اسلام کے مستقبل اور اس کی قائدانہ صلاحیت سے مایوسی' مغربی تہذیب ہی کو انسان کی ترقی' آزادی اور عزت و سعادت کی انتہا اور ناقابل تردید حقیقت سمجھنا جس سے انکار و اعراض کی گنجائش نہیں' یہ درحقیقت اسلام کے زوال' زندگی کی رزمگاہ سے اس کے انخلا کا پیش خیمہ اور فکری اور تہذیبی ارتداد ہے۔ جب یہ طرزِ فکر کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی تیز و تند موج چلتی ہے تو نہ عالی شان محلوں کو چھوڑتی ہے نہ پامال جھونپڑیوں کو' نہ کسان کے کھیتوں کو' نہ کسی عالم کے مدرسہ کو' نہ کسی گوشہ نشین عابد و زاہد کی خانقاہ کو۔ میں نے بعض اسلامی ممالک کے دردناک انجام کی مثالیں بھی بیان کیں جہاں علماء نے نوجوانوں پر توجہ دینے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے میں پہلوتہی کی' ان کو متأثر کرنے میں ناکام رہے اور ان کو بے مہار چھوڑ دیا کہ الحاد' فساد' کمیونزم' وجودیت اور اباحیت کے داعیوں میں سے جو چاہے ان کو اپنا شکار بنالے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان نوجوانوں کے ذہن و دماغ پر ملحد' زندیق' جارحانہ قوم پرستی کے داعی یا دین کے دشمن کمیونسٹ چھا گئے۔ انہوں نے اپنی سرگرمیوں کے لیے دو میدان منتخب کیے' تعلیم گاہیں اور فوج۔ اور چند ہی سالوں میں اتنی طاقت

حاصل کر لی کہ پورے ملک کو اپنے ڈنڈے سے جدھر چاہیں ہانکتے رہیں، حکومت و اقتدار کی کلید اپنے ہاتھ میں لے لیں اور طاقت وقوت کے ہر اس چشمہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لیں جس سے ملک کی سیاست وحکومت کے طریق کار اور اس کی رفتار پر اثر انداز ہوا جا سکتا ہے۔ (۸)

میں نے اس کی بھی وضاحت کی کہ نوجوانوں میں کام کرنے کے لیے جدید اسلوب، جدید زبان، نوجوانوں کی نفسیات کے گہرے مطالعہ اور ان کو درپیش مسائل ومشکلات کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب یہ وصیت پیش نظر رکھنی چاہیے:

کلِّموا النّاسَ علٰی قدرِ عُقولھم اتریدون ان یُکذَّبَ اللّٰہ ورسولہ؟

''لوگوں سے ان کی عقل وفہم کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول جھٹلا دیے جائیں؟''

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ ان کے ذہن ودماغ میں یہ حقیقت از سرنو اچھی طرح راسخ کر دی جائے کہ اسلام زندگی اور قائدانہ صلاحیت سے بھرپور ہے، اور صرف یہی نہیں کہ اسلام زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، بلکہ زمانہ کی قیادت ورہنمائی کر سکتا ہے۔ ﴿صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ﴾ اس مقصد کے لیے ایسا اسلامی لٹریچر مفید ثابت ہو سکتا ہے جو ان کے ذوق کے مطابق ہو، جو ان کے دماغ کی گرہیں کھول دے۔ مستقل کتابیں تصنیف کر کے شائع کی جائیں یا ملک میں رائج زبانوں میں ان کا ترجمہ کیا جائے۔

اس مجلس میں استاذ احمد محمد جمال نے بھی گفتگو کی اور بعض اہم پہلو اُجاگر کیے۔ اس کے بعد مذاکرہ شروع ہوا اور بعض ممتاز حاضرین نے تقریروں پر اپنے تأثرات پیش کیے۔ ان میں وزارتِ اطلاعات ونشریات میں شعبہ وعظ وارشاد کے چیف ڈائریکٹر استاذ بشار اور شیخ محمد ہاشم مجددی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ہماری معروضات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور بعض اہم نکتے واضح کیے۔ پھر مجلس برخاست ہوگئی اور مسرت واطمینان کا تأثر لیے لوگ واپس ہوئے۔

وزراء اور دوسرے ذمہ داروں سے ملاقاتیں

جن ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی ان میں سب سے اہم وزیر تعلیم جناب محمد یٰسین عظیم اور نائب وزیر ڈاکٹر محمد صدیق ہیں۔ ان حضرات سے ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی اور اسلامی ممالک

(۸) شام، کسی زمانہ میں جس کی دینی پختگی اور اسلامی روایات سے وابستگی بطور مثال پیش کی جاتی تھی، اس مصیبت کی بہترین مثال ہے۔

میں تعلیمی رجحانات اور وہاں کی تعلیمی سیاست پر گفتگو ہوتی رہی۔ وزیر تعلیم نے ہماری باتیں توجہ سے سنیں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہیں اپنی عظیم ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ چونکہ ہمارے دورہ کا پروگرام مرتب کرنے اور وفد کے لیے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کا انتظام اصلاً وزارتِ تعلیم ہی نے کیا تھا اور یہی وزارت حکومت افغانستان کی طرف سے ہماری میزبان تھی' اس لیے ہم نے وزیر تعلیم اور نائب وزیر تعلیم کا خصوصی طور پر شکریہ ادا اور اپنی ممونیت کا اظہار کیا۔ وزارتِ تعلیم نے ہمارے اعزاز میں ایک دعوت کا بھی اہتمام کیا' جس میں ''کلیة الشریعه'' کے اساتذہ نمایاں نظر آتے تھے۔

صدر اعظم (وزیر اعظم) کے خصوصی مشیر استاذ عبدالستار سیرت سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ مصر کے تعلیم یافتہ اور جامع ازہر کے فارغ ہیں۔ وہ اہل زبان کی سی تیزی اور روانی کے ساتھ عربی زبان میں گفتگو کرتے رہے۔ وزارتِ عدل کے انڈر سیکرٹری جناب سمیع الدین زوند اور نیابت عامہ کے انڈر سیکرٹری عبدالہادی ہدایت' سنٹرل وقف بورڈ کے ڈائریکٹر استاذ کامل شنواری' افغان جمعیت العلماء کے صدر مولانا محمد صدیق کباری وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان حضرات کے ساتھ وزارتِ عدل کے عہدیداروں اور اس کے بعض شعبوں کے سربراہوں میں سے کچھ منتخب افراد بھی تھے۔ استاذ احمد محمد جمال میرے کابل پہنچنے سے پہلے وزیر اطلاعات سے بھی مل چکے تھے۔ استاذ عبدالرسول سیاف تمام ملاقاتوں اور اجتماعات میں فارسی زبان میں قدرت اور مہارت کے ساتھ ہماری باتوں کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہ بات ہم نے خاص طور سے محسوس کی کہ تمام پڑھے لکھے افراد' وزراء اور اعلیٰ عہدے داران سب فارسی زبان میں بات چیت کرتے ہیں' حالانکہ وہاں کی سرکاری زبان پشتو ہے۔ سرکاری احکام واعلانات اسی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ سرکاری مراسلات میں یہی زبان استعمال کی جاتی ہے۔ دعوت نامے بھی اسی زبان میں جاری ہوتے ہیں' لیکن فارسی زبان سب ہی لوگ سمجھتے ہیں اور علمی اجتماعات اور ادبی مجلسوں میں فارسی ہی استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں بتلا گیا کہ تحریک پختونستان کے مرکز اور بلوچستان کی سرحد سے ملے ہوئے علاقہ قندھار میں بھی فارسی ہی زیادہ رائج ہے۔

اس دورے میں جن ممتاز شخصیتوں سے تعارف حاصل کر کے خوشی ہوئی اور ان کے ساتھ زیادہ وقت گزرا' ان میں مولانا محمد اسلام تسلیم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ ان علماء کا نمونہ ہیں جو دین میں رسوخ واستقامت کے ساتھ ہی جدید افغانستان میں اپنی عزت واحترام اور قدر ومنزلت کو بھی باقی رکھے ہوئے ہیں۔ وزارتِ تعلیم کے بڑے بڑے ذمہ داران اور عہدہ داران ان کا احترام کرتے ہیں اور مولانا کو ان کا اعتماد حاصل ہے۔

قوم میں علماء کے اثرات کی روز افزوں کمی اور اس کے نتائج

افغانستان کچھ دنوں قبل علماء اور مشائخ کا ملک تھا اور اس حد تک علماء کے زیر اثر تھا کہ دوسرے مشرقی ممالک میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کسی بھی شخصیت یا حکومت کے لیے علماء کی تصویب و تائید اسی طرح ان کی ناراضگی و ناپسندیدگی کی بڑی قیمت تھی اور اس کے دوررس اثرات مرتب ہوتے تھے' اور حکومت اور قوم دونوں کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی۔ علماء کے نعرۂ جہاد' جس کو وہ عام طور پر ''غزا'' کہتے تھے' کی صدائے بازگشت سے شہر قصبات اور دیہات گونج اٹھتے اور وہ عوام وخواص کے دلوں اور دماغوں میں نشہ پیدا کر دیتا۔ انگریزوں سے جنگ' ملک کی آزادی واستقلال کی حفاظت' دینی وملی غیرت کے بقاء' بہت سے اسلامی اخلاق و آداب پر قائم رہنا اور اسلام دشمن تحریکوں اور دعوتوں کا مقابلہ انہی علماء کے اثرات کا رہین منت ہے' اور شاید افغانستان میں شرعی عدالتوں اور اسلامی قوانین کے باقی رہنے کا بھی یہی سبب ہے' جبکہ اکثر اسلامی ممالک میں ان کا خاتمہ ہو گیا ہے' اور بلاشبہ افغانی حکومت اس مسئلہ میں مبارک باد کی مستحق ہے۔

ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے کہ سینکڑوں افغانی طالب علم ہمارے یہاں ہندوستان کے بڑے مذہبی مدارس اور خاص طور سے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے' کیونکہ افغان بھی ترکوں کی طرح سو فیصدی سنی حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے' لیکن ہمیں اس دورہ سے اندازہ ہوا کہ اب وہ نسل ختم ہو چکی ہے' یا ختم کے قریب ہے۔

زمانہ کی رفتار اور حالات کے انقلاب کے ساتھ ساتھ علماء نے اپنا اثر ونفوذ بھی بہت کچھ کھو دیا ہے۔ اس میں حکومت کے ''مدبرانہ'' طرزِ عمل کا بھی بڑا دخل ہے' اور یہ بات اس کے حق میں جاتی ہے۔ حکومت نے گزشتہ تجربات سے یقیناً سبق حاصل کیا ہوگا۔ اس نے دیکھا کہ علماء امیر امان اللہ خاں کے خلاف کھڑے ہو گئے تو ان کے خلاف بغاوت ہو گئی' یہاں تک کہ انہیں ملک چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا' اور شاید علامہ اقبال کی بیان کردہ ابلیس کی وہ حکیمانہ وصیت بھی اربابِ حکومت کے علم میں آئی' جس میں اس نے اپنے مطیع وفرمانبردار رہنماؤں سے کہا ہے:

افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو!

چنانچہ اب یہ دینی غیرت اور افغانی خودداری محسوس حد تک کم ہو گئی ہے۔ افغانی معاشرہ میں زبردست تغیرات رونما ہوئے اور قوم ان کو ہضم کر گئی' ان میں کوئی حرکت نہیں پیدا ہوئی۔ وہاں بے پردگی کا سیلاب آ گیا' مغربی تہذیب کی تقلید اور فرنگیت عام ہو گئی اور وہاں کی زندگی میں کوئی

حرکت یا کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوا۔ اس وقت افغانستان ہپیوں کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ حشیش اور دیگر نشیلی اشیاء وہاں بافراط ملتی ہیں۔ ہم نے خود ان کی بڑی تعداد کو دیکھا' وہ جہاز پر ہمارے ساتھ تھے' کابل میں اترے اور اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ قوم کے اخلاق اور اختلاطِ مرد و زن پر پڑنے والے ان کے اثرات صاف ظاہر ہیں' لیکن یہ تمام باتیں اب وہاں کوئی محسوس کی جانے والی ناپسندیدگی یا بے چینی نہیں پیدا کرتیں اور یہ دینی غیرت اور اسلامی نخوت کے زوال ہی کی دلیل ہے۔ اس کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ قیادت علماء کے ہاتھوں سے نکل کر سیاست دانوں کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے جو ہر معاملہ کو اقتصادیات اور سیاست کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ''صورتِ حال'' کے سامنے سر جھکا دینا ہی حقیقت شناسی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔

میں نے سنا کہ ہرات اب تک علم و علماء اور مدارس و مساجد کا شہر ہے۔ وہاں اب بھی علم دین اور علماء بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور صلاح و تقویٰ کے آثار موجود ہیں۔ شدید خواہش کے باوجود میں اس تاریخی شہر اور دینی و علمی مرکز کی زیارت نہیں کر سکا۔ یہاں سے بہت سے علماء و مصلحین پیدا ہوئے۔ مثلاً مشہور عارف و محقق امام عبداللہ انصاری جن کی کتاب ''منازل السائرین'' کی شرح میں علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب ''مدارج السالکین'' لکھی' اور مشہور محدث' فقیہہ اور محقق علامہ نورالدین علی بن سلطان محمد جو ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کے نام سے مشہور ہیں۔

❀❀❀

قرآن اکیڈمی جھنگ میں

25 روزہ قرآن فہمی کورس (کل وقتی)

☆ یکم جون تا 25 جون 2009ء ☆

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلبہ' کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہو سکتے ہیں۔ قیام و طعام اکیڈمی کے ذمے ہوگا۔

(اہل ثروت حضرات سے عطیات کا خیر مقدم کیا جاتا ہے)

قرآن اکیڈمی
لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ' جھنگ صدر
فون: 7628361 - 047-7628561

بقیہ : عرضِ احوال

فرماتے ہیں کہ میں نے دھماکوں کی اِس لیے مخالفت کی تھی کہ امریکہ جیسی قوت یہ پسند نہیں کرتی کہ کوئی مسلمان ملک ایٹمی قوت ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنی سلامتی عزیز ہے اور ہم تباہی سے بچنا چاہتے ہیں تو اِس سے کیا فرق واقع ہوتا ہے کہ ہمیں امریکہ تباہ کرتا ہے یا بھارت؟ ویسے محترم حقانی صاحب کی اطلاع کے لیے کہ افغانستان پر امریکی حملے کی بہت سی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امریکہ وہاں ایک خالص اسلامی فلاحی ریاست قائم ہوتے دیکھ رہا تھا۔ کیا اِس خوف سے کہ امریکہ کو خالص اسلامی ریاست قبول نہیں، ہمیں نظری طور پر بھی اسلامی مملکت ہونے سے اعلانِ براءت کرنا پڑے گا؟

حقانی صاحب سب نکات اور دلائل ایک طرف رکھ دیں اور سورۃ الانفال کی اس آیت کے تیور پہچانیں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾

براہِ کرم کسی اور حوالہ سے نہ سہی جماعت اسلامی سے سابقہ تعلق کے حوالہ سے ہی ہمیں یہ بتا دیں کہ ہم اس قرآنی ہدایت کا کیا کریں؟ کیا معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ! آپ امریکہ کے خوف سے اسے بھی رد کرنے کا نظریہ پیش کریں گے؟

ہمارے بعض جدت پسند مذہبی دانشوروں نے پہلے ہی اِس کام کا بیڑا اُٹھایا ہوا ہے کہ وہ اسلام کی چوکور کو مغرب کے گول سوراخ میں فٹ کرنے کے لیے اِس کے احکامات کی تراش خراش کرتے رہتے ہیں۔ حقانی صاحب! آپ کیوں اُن کے معاون و مددگار بن کر اپنی آخرت کے دشمن بن گئے ہیں؟ اسلام ایک انتہائی معتدل دین ہے۔ وہ اگرچہ سلامتی کا درس دیتا ہے اور امن و ایمان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، لیکن دینِ حق کے بنیادی اصولوں سے ذرہ برابر انحراف نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اپنے اور اپنے رسول کے دشمنوں سے نمٹنے کے لیے ہمیں گھوڑے اور سامانِ حرب تیار رکھنے کا حکم دیتا ہے اور ہمیں یہ حکم بلا چون چرا تسلیم کرنا ہوگا۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کے حکم کے آگے سر جھکا دے۔ دنیا اور آخرت میں صرف وہ سربلند ہوگا جو ہر دم اپنے رب کے آگے جھکا رہے گا۔ oo